دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارُالعُلوم

جلد: ۱۰۵ | ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ محرم الحرام ۱۴۴۳ھ مطابق اگست ۲۰۲۱ء | شمارہ: ۸

نگراں

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔ ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 105, Issue No. 8, August 2021 अगस्त 2021
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 20/= | Annual Subscription Rs. 200/=

Annual by Regd Post. Rs. 440/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۴۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۷۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۷۰۰ روپے

فہرست مضامین

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/440 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ
شمعِ علم کا پروانۂ جاں سوز

محمد سلمان بجنوری

۳۰؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کا دن دارالعلوم دیوبند اوراس کے وابستگان کے لیے ایک اور حادثہ کی خبر لایا کہ دارالعلوم کے عظیم محدث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی بھی رخصت ہوگئے، حضرت مولانا کا شمار اُن اساتذۂ کرام میں ہوتا تھا جن سے کسی ادارہ کا امتیاز قائم ہوتا ہے اُن کی شخصیت کا خلاصہ اگر کیا جائے تو وہ شمع علم کے ایسے بیتاب پروانے کی حیثیت رکھتے تھے جسے علم وکتاب کے بغیر چین نہ آئے۔ اُن کا کمرہ ایک وسیع کتب خانہ کی طرح نظر آتا تھا اور اُن کے کمرے میں کسی بھی وقت آنے والا آدمی اُن کو مطالعہ ہی میں مشغول پاتا تھا، وہ اپنی ضروریات اور بعد عصر کے علاوہ ہر وقت لکھنے پڑھنے ہی میں مشغول رہتے تھے۔

وہ ۱۹۸۲ء میں انتظامیہ کی تبدیلی کے بعد دارالعلوم کے قافلۂ خیر میں ایک متوسط استاذ کی حیثیت سے شامل ہوئے تھے، اوراپنی مسلسل محنت سے ترقی کرتے ہوئے تدریس کے اعلیٰ مقام تک پہنچے، اُن کا سبق اُن کی وسعت مطالعہ کا آئینہ دار تھا، خاص طور پر درس حدیث میں اُن کی محققانہ شان نمایاں ہوتی تھی۔

تدریس کے ساتھ وہ میدان قلم کے بھی شہسوار تھے، اُن کے قلم سے بڑی تعداد میں علمی، تاریخی اور تحقیقی کتابیں وجود میں آئیں۔ وہ تقریباً بتیس سال ماہ نامہ دارالعلوم کے مدیر رہے اس عرصہ میں ان کے قلم سے علم وبصیرت پر مبنی اداریوں کے علاوہ بے شمار مقالات ومضامین شائع ہوئے۔

حضرت مولانا اپنے تمام ترعلمی ذوق کے ساتھ ملک وملت کے تقاضوں سے بھی باخبر رہتے

تھے اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے اپنا کردار ادا کرتے تھے، وہ مسائل ومعاملات میں بصیرت مندانہ رائے رکھتے تھے اور اجتماعی معاملات میں مشورہ کے ذریعے شریک رہتے تھے۔

اللہ رب العزت نے اُن کو رمضان المبارک کے آخری دن اپنی بارگاہ میں بلایا اور جو حالات سامنے آئے اُن سے اُن کے حسن خاتمہ کا یقین ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور دارالعلوم دیوبند اور ملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

صفحات کی تنگی کے پیش نظر سردست ان سطور پر اکتفاء کرنا پڑ رہا ہے، حضرت مولانا کی شخصیت پر بھی ان شاء اللہ کسی اور فرصت میں عرض کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

❁ ❁ ❁

حبیب ما، رفیق ما

از: حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کا حادثۂ وفات بہتوں کی طرح میرے لیے بھی ایک صدمہ جانکاہ ثابت ہوا، جس نے دل ودماغ پر سکتہ کی سی کیفیت طاری کردی۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اگرچہ عمرطبعی کی آٹھویں دہائی پوری کررہے تھے؛لیکن خوردونوش اورحفظانِ صحت کے سلسلہ میں ان کے دیرینہ محتاط نظام العمل نے ان کی صحت کو قابل رشک بنارکھا تھا۔ سن رسیدہ ہونے کے باوجود صحت مند نظر آتے تھے؛اس لیے بہ ظاہر ایسا کوئی اندیشہ نظر نہیں آتا تھا کہ مولانا اس طرح اچانک ہم سے جدا ہوجائیں گے۔

لیکن بہرحال وقتِ آخر آپہونچا اور حضرت مولانا ہزاروں متعلقین، محبین اور منتسبین کو غمزدہ چھوڑکر اس سفر پر روانہ ہوگئے جہاں سب کو جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص رحمت ومغفرت سے نوازے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی باقیات صالحات کی حفاظت فرمائے اور دارالعلوم دیوبند کو اساتذۂ کرام، خدام اور کارکنان کی جدائی سے جو علمی اور انتظامی نقصان پہونچا ہے، اس کی تلافی کی شکل پیدا فرمائے۔

حادثہ کے کئی روز بعد تاثرات لکھنے بیٹھا ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ بات کس طرح شروع کروں۔

بات دراصل یہ ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے ساتھ راقم الحروف کی رفاقت کے تین دور ہیں۔ اور دل ودماغ پر ہر دور کا الگ الگ نقش قائم ہے۔

دورِ اوّل کی داستان

پہلا دور طالب علمی کا ہے۔ شوال ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں جب یہ طالب علم جذبات اور تمناؤں کا سرمایہ لیے ہوئے دارالعلوم میں داخلہ کا امیدوار بن کر دیوبند حاضر ہوا اور داخلہ کی ہنگامہ خیز کارروائی سے فرصت ملی تو نگاہیں ماحول سے مانوس ہونے لگیں۔

یہ انسانی مزاج ہے کہ وطن سے جتنا فاصلہ بڑھتا رہتا ہے اسی حساب سے پڑوس کے فاصلے گھٹتے جاتے ہیں اور ہم وطنی کا رشتہ بڑھتا جاتا ہے۔ اپنی بستی کے باہر بستی کا ہر فرد ہم وطن محسوس ہوتا ہے اور شہر کے باہر اپنے شہر کا ہر باشندہ ہم وطن شمار ہوتا ہے۔ اسی حساب سے صوبہ، ملک اور براعظم سے باہر نکلنے کے بعد اپنے صوبہ، ملک اور براعظم کا باشندہ اپنا ہم وطن محسوس ہوتا ہے۔ اپنے وطن سے آٹھ، نو سو کلومیٹر کے فاصلہ پر مشرقی اتر پردیش کا ہر طالب علم پڑوسی معلوم ہوتا تھا۔

اعظم گڈھ بشمول مئو، مبارک پور وغیرہ بنارس سے قریب کا ضلع ہے۔ اس تعلق سے اعظم گڈھ، مئو وغیرہ کے طلبہ سے دوسرے طلبہ کے مقابلہ میں کچھ شناسائی زیادہ تھی۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ بھی اسی دور میں دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے اور اپنی مخصوص خوبیوں کی وجہ سے ہم وطن طلبہ میں بھی نمایاں تھے۔ ایک خاص بات جس کا تذکرہ شاید ان کے حالات میں کوئی نہ لکھے گا میں اس کا شاہد ہوں۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کا بڑا کارنامہ

واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں مئو، مبارک پور، ولید پور، خیر آباد وغیرہ ضلع اعظم گڈھ کا حصہ ہوا کرتے تھے۔ ادھر طلبہ اعظم گڈھ میں اور مئو وغیرہ کے طلبہ میں آپس میں مستقل چشمک رہتی تھی جو بسا اوقات چپقلش اور تنابز بالالقاب تک پہونچ جاتی تھی۔ ایک علاقہ سرائے میر، پھول پور، محمد پور، جگدیش پور اور شہر اعظم گڈھ وغیرہ کا تھا، دوسرا مئو اور اس سے متصل قصبات کا تھا۔ دونوں حصوں کی انجمنیں بھی الگ الگ تھیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کا بڑا کارنامہ یہ ہوا کہ انھوں نے دونوں انجمنوں کو ختم کرکے ''انجمن نادیۃ الاتحاد'' ضلع اعظم گڈھ قائم کی اور تمام طلبہ کو اس میں شیر وشکر کردیا۔ یاد پڑتا ہے کہ اس عمل میں ان کے ساتھ جناب قاری حماد الاعظمی صاحب (حال مقیم دفتر جمعیت علماء ہند) بھی شریک تھے۔

اس دور میں مولانا کے ساتھ ہم عصری کے باوجود درجات کا تفاوت برقرار تھا؛ کیوں کہ وہ دورۂ حدیث میں شریک تھے اور بندہ کنز الدقائق کا طالب علم تھا؛ لیکن ان کی ان کامیاب مخلصانہ کوششوں کی وجہ سے ان کا ایک اچھا نقش دل میں بیٹھ گیا۔

دورِ ثانی کی سرگزشت

پھر مولانا فارغ ہوکر وطن آگئے اور تدریسی خدمات میں مشغول ہوگئے تا آنکہ بندہ ۱۳۸۸ھ میں دارالعلوم سے رسمی تکمیل کے بعد بنارس آگیا اور اسے اپنے قدیم مادر علمی جامعہ اسلامیہ مدن پورہ بنارس میں تدریسی خدمت سپرد کردی گئی۔ جامعہ اسلامیہ بنارس کے صدر مدرس میرے استاذ گرامی

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سرائے میر اعظم گڈھ کے رہنے والے اور جامعہ کے قدیم استاذ تھے،ان کے ذریعہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مجھ سے پہلے جامعہ اسلامیہ میں مدرس عربی کی حیثیت سے تشریف لا چکے تھے۔ یہاں سے میری مولانا کے ساتھ رفاقت کا دوسرا دور شروع ہوا جو مولانا کے دیوبند آنے تک برقرار رہا۔اس دور میں بندہ کو مولانا کے قریب رہنے اور ان کے تدریسی، تحقیقی اور تصنیفی کام کو دیکھنے کا موقع ملا۔

تصنیفی کارنامے

چند ہی سال کے بعد جامعہ اسلامیہ کا عربی شعبہ مدن پورہ روڈ کی قدیم عمارت سے شعبہ عربیہ کی نوتعمیر عمارت جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب میں منتقل ہوگیا اور مولانا دیگر اساتذہ کے ساتھ طلبہ کی تعلیم وتربیت میں ہمہ تن مشغول ہوگئے اور تدریس کے ساتھ مطالعہ، تحقیق اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی یہیں آکر شروع ہوا۔مختلف مضامین کے علاوہ حضرت شاہ محمد طیب بنارسیؒ کے حالات پر مشتمل رسالہ ''شجرۂ طیبہ'' کی ترتیب اور ضلع اعظم گڈھ کے مرحوم علماء کے تذکرہ پر مشتمل کتاب ''تذکرہ علماء اعظم گڈھ'' کی تصنیف کا عمل اسی زمانے میں انجام پایا۔

ان کا سارا وقت علمی کاموں میں صرف ہوتا، وہ سرسری اور رواں مطالعہ کے قائل نہیں تھے۔ جس موضوع پر کچھ لکھنے کا ارادہ ہوتا اس سے متعلق قدیم وجدید مراجع کا گہرائی سے مطالعہ کرتے اور حاصل مطالعہ یادداشت کی شکل میں جمع کرتے جاتے اور جب اپنے طور پر مطمئن ہوجاتے تو تحریر کے لیے قلم اٹھاتے۔مراجع کی تلاش میں بنارس کے ایک باذوق عالم دین حکیم محمد یوسف صاحب بنارسی کے کتب خانہ سے بھی خوب استفادہ کیا اور جون پور میں موجود بعض قدیم مخطوطات سے بھی بھرپور استفادہ کرتے رہے۔اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ کی تعلیمی شہرت دور دراز تک پہونچ چکی تھی، ابھی جامعہ اسلامیہ میں دورۂ حدیث کا آغاز نہیں ہوا تھا۔طلبہ مشکوٰۃ شریف سے فارغ ہوکر دارالعلوم دیوبند کا رخ کرتے اور تقریباً تمام طلبہ دارالعلوم میں قبول کرلیے جاتے۔

اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی بڑی تعداد باصلاحیت فضلاء کی شکل میں ملک کے مختلف علاقوں میں تدریسی خدمات میں مشغول ہیں اور متعدد علماء اپنی خدمات مکمل کرکے راہی ملک بقا ہوچکے ہیں۔

فارسی زبان میں مہارت

مولانا کو فارسی نثر ونظم کا بہت اچھا ذوق حاصل تھا گلستاں، پندنامہ عطار، کریما، حمدِ باری کے

فارسی اشعار مخصوص ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے۔ طلبہ کی تربیت اور نگہداشت کے سلسلہ میں شعر بار بار پڑھتے تھے۔

بابو بیک نقطہ یابو شود   لگامش بدہ تا بقابو شود

یعنی بابو (چھوٹا بچہ) ایک نقطہ کے اضافہ سے یابو (گھوڑا) ہوجاتا ہے، اس کو لگام دو تاکہ وہ قابو میں رہے۔

غیرضروری بحثوں میں حصہ لینے پر طلبہ کو تنبیہ کرتے:

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

اسی زمانہ میں انھوں نے حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور نظم

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمرمی بینم   ہمہ آفاق پر از فتنہ وشر می بینم

اسپ تازی شدہ جروح بزیر پالاں   طوق زریں ہمہ درگردن خرمی بینم

کا اردو ترجمہ بھی اشعار میں کیا تھا، جو ان کی ڈائری میں محفوظ ہے۔ وہ ڈائری بہت قیمتی ہے، مولانا کے ورثہ کو چاہیے کہ اس کی حفاظت کریں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں؟ اس مسئلہ پر بھی مولانا نے ایک تحریر مرتب کی تھی، جس میں دو حدیثوں کے حوالہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا۔ دو سال قبل میں نے مولانا سے ان روایات کے بارے میں استفسار کیا تو انھوں نے ڈائری سے نقل کرکے وہ روایتیں میرے پاس بھیج دی تھیں۔

ہم درس ہونے کا شرف

جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس کے زمانۂ قیام میں محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہ سے شیخ سعید بن سنبل کا رسالہ ''الوائل'' پڑھ کر اجازت حاصل کرنے کا ہم دونوں میں مشورہ ہوا۔ پھر حضرت مولانا بغرض علاج بنارس تشریف لائے اور محلّہ پیلی کوٹھی بنارس میں حاجی عبدالعزیز صاحب مرحوم کے مکان پر کئی روز تک قیام فرمایا تو ہم دونوں حضرت سے اجازت لے کر ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے۔ بندہ نے رسالہ کی قراءت کی اور حضرت مولانا نے ہم دونوں کو رسالہ الاوائل اور جملہ مرویات کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے اپنی کتاب پر دو سطری عبارت میں اس مجلس قراءت کا تذکرہ مع تاریخ درج کردیا تھا، جو ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ اس طرح بندہ کو مولانا کے ہم درس ہونے

کا موقع بھی مل گیا۔

یادوں کے دریچے کھلے ہوئے ہیں اور ایک ایک کر کے باتیں یاد آتی جارہی ہیں؛ لیکن طولِ کلام سے بچنے کے لیے دورِ ثانی کی سرگزشت رفاقت کا سلسلہ یہیں موقوف کردیتا ہوں۔

دورِ ثالث کا ذکر

اجلاس صدسالہ کے بعد دیوبند میں ''مؤتمر ابنائے قدیم'' کا قیام عمل میں آیا اور حضرت فدائے ملتؒ کی مردم شناس نگاہ نے مؤتمر کی نظامت اور مؤتمر سے شائع ہونے والے رسالہ ''القاسم'' کی ادارت کے لیے مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کو دیوبند بلایا اور پھر چند سال بعد مولانا دارالعلوم کے اساتذۂ کرام میں شامل ہوگئے، جب کہ بندہ جامعہ اسلامیہ بنارس ہی میں مصروفِ خدمت رہا۔

ما و مجنون ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق　　　او بہ صحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

جامعہ اسلامیہ بنارس کے طلبہ کو دارالعلوم میں داخلہ دلانے کی غرض سے یا حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے جب دیوبند کا سفر ہوتا تو مولانا مرحوم کے کمرے میں بھی حاضری اور پان نوشی کی مجلس میں کچھ پرانی یادیں تازہ ہوجاتیں۔ ان کے علاوہ دارالعلوم کی رکنیتِ شوریٰ کے بعد مجلس شوریٰ وعاملہ کے موقع پر اور جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ کے جلسوں میں بھی تجدید ملاقات کے مواقع ملتے۔

پھر تقدیر الٰہی نے بندہ کو مستقل قیام کے لیے دیوبند پہونچادیا، جب کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دارالعلوم کے درجۂ علیا اور طبقۂ اولیٰ کے اساتذۂ کرام میں شمار کیے جانے لگے۔

موڈ بنارہے تھے

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے قیام دیوبند اور خاص طور سے آخری دور کے حالات، مشاغل، خدمات اور خصوصیات پر اہلِ قلم اور اہلِ تعلق زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالیں گے، اس لیے میں اسے نظر انداز کرتا ہوں۔ ہاں! ایک بات کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مولانا مرحوم ان دنوں کسی خاص موضوع پر کچھ لکھنے کے لیے مطالعہ فرمارہے تھے اور بقول خود اس کے لیے موڈ بنارہے تھے اور اندازہ یہ ہے کہ اس کام کا آغاز فرماچکے تھے۔ یقیناً ان کا جمع کردہ حاصل مطالعہ اور مرتب کردہ تحریر خاصے کی چیزیں ہوگی، ان کی حفاظت کرنی چاہیے اور اگر از قبیل اشاعت ہوں تو ان کی اشاعت ہونی چاہیے اور اس تازہ تحریر کے علاوہ بھی مولانا کی جو غیر مطبوعہ تحریریں اور مسودات موجود ہوں، ان کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمیؒ

محقق عالم اور مقبول مدرس

از: مولانا محمد ساجد قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

مورخہ ۳۰؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ (۱۳؍مئی ۲۰۲۱ء) کو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی وفات بھی ہم وابستگان دارالعلوم اور علمی حلقوں کے لیے غیر معمولی حادثہ ہے۔

موصوف دارالعلوم کی نشأۃ ثانیہ کے اہم رکن، درجۂ علیا کے استاذ، علم وتحقیق کی علامت، اصابتِ رائے اور جرأت وبیبا کی کا نمونہ تھے۔ نیز ''جمعیۃ علماء ہند'' کی مجلس عاملہ کے رکن، ایک ممتاز اہل قلم، ''ماہنامہ دارالعلوم دیوبند'' کے سابق مدیر، اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔

۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۵ء میں جگدیش پور ضلع اعظم گڑھ یوپی میں پیدا ہوئے۔ عربی درجات کی تعلیم مطلع العلوم بنارس اور دارالعلوم مئو میں حاصل کی۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

۱۹۶۵ء میں ''جامعہ اسلامیہ'' بنارس میں مدرس مقرر ہوئے۔ مئی ۱۹۸۰ء میں ''مؤتمر فضلائے دارالعلوم'' کی طلب پر دیوبند آئے اور عالمی مؤتمر کی نظامت اور ماہنامہ ''القاسم'' کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔

دارالعلوم میں نشأۃ ثانیہ کے بعد ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء میں مدرس ہوئے، آپ نے مشکاۃ، ہدایہ، موطا امام مالک اور ابوداؤد وغیرہ کی تدریس کی خدمت انجام دی، آپ کا درس بہت مقبول تھا، آپ مکمل تیاری کے بعد سبق پڑھاتے تھے اور اسباق کے مباحث پر سیر حاصل بحث کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ علم وتحقیق کے موتی لٹا رہے ہوں؛ اس لیے طلبہ آپ کے سبق کو بہت پسند کرتے تھے۔

مطالعہ وکتب بینی آپ کا خاص وصف تھا، مطالعہ اور تدریس کے علاوہ آپ کا کوئی اور شغل نہیں تھا، نہ آپ مجلسی آدمی تھے اور نہ آپ اسفار کرتے تھے، نہ لوگوں سے زیادہ اختلاط تھا، اسباق پڑھانے کے بعد جو وقت ملتا تھا، اسے کتابوں کے مطالعے میں صرف کرتے تھے؛ اس لیے آپ کی معلومات وسیع تھی اور علمی مسائل پر گہری نظر تھی۔ آپ تدریس کی مقبولیت، وسعتِ مطالعہ اور اصابت رائے کی وجہ سے دارالعلوم کے ممتاز اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔

صفر ۱۴۰۵ھ میں آپ کو ''ماہنامہ دارالعلوم'' کا مدیر مقرر کیا گیا۔ آپ نے ماہنامہ کے ذریعہ قارئین میں دینی شعور بیدار کیا اور دارالعلوم دیوبند کے مسلک ومشرب کی بہترین ترجمانی کی، اس میں شائع ہونے والے آپ کے مقالات تین جلدوں میں ''مقالات حبیب'' کے نام سے شائع ہوئے۔

آپ ایک پختہ قلم مصنف تھے، آپ نے تقریباً ۳۰ کتابیں تالیف کیں، جن میں ''شیوخ الامام ابی داوٗد السجستانی''، ''شرح مقدمۂ عبدالحق''، ''نورالقمر شرح نزہۃ النظر''، ''تذکرہ علماء اعظم گڑھ''، ''اجودھیا کے تاریخی آثار''، حرمت مصاہرت''، ''سرسید احمد خان اور حجیت حدیث'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

آپ بڑے غیور، بے باک اور نڈر تھے، جس بات کو حق سمجھتے اسے برملا کہہ دیا کرتے تھے، کسی مسئلہ میں رائے پیش کرنے کے وقت آپ کا لہجہ قدرے سخت اور درشت ہوتا تھا؛ جب کہ دورانِ سبق مسائل پر کلام کرتے وقت ہونٹوں پر تبسم ہوتا تھا۔ آپ فطری طور پر کم آمیز واقع ہوئے تھے، نہ آپ کے پاس زیادہ لوگوں کی آمد ورفت تھی اور نہ ہی آپ کسی کے پاس جاتے تھے؛ البتہ حضرت مولانا ارشد مدنی دامت برکاتہم کے پاس اٹھنا بیٹھنا تھا اور آپ سے بہت بے تکلفی تھی۔ آپ طلبہ کے بہت ہمدرد تھے، ان کی بہت اچھی ترجمانی کرتے تھے، ان کی کسی طرح کی توہین قطعاً برداشت نہیں تھی، ان کے لیے آپ بہت پرجوش ہو جاتے تھے، دارالعلوم دیوبند اور اس کے دستور اور مسلک ومشرب کے لیے بھی آپ بہت غیور واقع ہوئے تھے۔ دارالعلوم کے معاملات میں آپ کی رائے بہت باوزن ہوتی تھی، آپ کو دارالعلوم کی روایات کا استحضار تھا، گفتگو میں اس کے دستور اور روایات کا حوالہ دیتے تھے۔

آپ خوش پوشاک بھی تھے، صبح تفریح کا معمول تھا، ایک عصا ہاتھ میں رہتا تھا، تنہا ہی تفریح بھی کرتے تھے، اب بھی آپ صبح کے وقت آتے جاتے محسوس ہوتے ہیں۔

ع پھر رہا ہے میری نظروں میں سراپا تیرا

آپ کے یہاں نماز باجماعت کا بہت اہتمام تھا، جمعہ کے دین اذان ہوتے ہی مسجد پہنچ جاتے تھے اور صلاۃ التسبیح پڑھتے تھے، عشا کے بعد جلدی سو جاتے تھے، اور سحر خیزی آپ کے معمولات میں شامل تھی۔

ناچیز کو دارالعلوم دیوبند میں ۹۴-۱۹۹۳ء میں آپ سے ''ہدایہ ثالث'' اور ''موطا امام مالک'' پڑھنے کا موقع ملا، پھر جب میں ۲۰۰۱ء میں مدرس ہوا، تو آپ نے مجھے اپنی کتاب ''شیوخ الامام ابی داؤد السجستانی'' پر لکھا ہوا اردو میں مقدمہ دیا؛ تاکہ میں اس کا عربی میں ترجمہ کردوں، یہ کام انھوں نے مجھے شعبان میں چھٹی سے کچھ پہلے دیا؛ چنانچہ میں نے اسے رمضان کی چھٹیوں میں اپنے وطن میں کیا اور شوال میں آپ کے حوالے کردیا، آپ بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

''کرونا'' کی وبائے عام کی وجہ سے تمام تعلیم گاہوں کے بند ہونے کے بعد دارالعلوم میں بھی تعلیم کا سلسلہ موقوف ہوگیا تھا۔ ابھی جب رجب میں حکومت کی جانب سے اسکول اور مدارس کے کھولے جانے کے لیے ہدایات جاری ہوئیں اور کچھ تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا تو چہارم تک کے ہی طلبہ کو بلایا گیا، آپ کی رائے تھی تمام طلبہ کو بلا لیا جائے اور رمضان میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھ کر ان کا نصاب پورا کیا جائے؛ لیکن آپ کی رائے پر عمل نہ ہوسکا۔ آپ شعبان میں اپنے وطن جگدیش پور چلے گئے، رمضان کے آخری ہفتے میں طبیعت ناساز ہوئی، ابتداءً گھر پر علاج ہوا، افاقہ نہ ہونے کی وجہ سے اسپتال میں داخل ہوئے۔ اسپتال میں نماز اور دیگر معمولات کے پورے نہ ہونے کی وجہ سے پریشان تھے اور گھر لے جانے کے لیے کہہ رہے تھے۔

آپ بہت باحوصلہ و باہمت تھے، آپ کو تقریباً اندازہ ہوگیا تھا کہ اب آپ کا آخری وقت قریب آگیا ہے؛ چنانچہ آپ نے اپنے بیٹوں کو بلا کر ضروری وصیت کی۔ پھر خدا کی بارگاہ میں دعا کی اور تھوڑی دیر بعد آپ خالق حقیقی سے جاملے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عنایت کرے!

❀ ❀ ❀

دشتِ علم کے سیاح، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ
حیات اور کارنامے

از: مولانا اشرف عباس قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

گزشتہ دو ماہ کے عرصے میں ملت اسلامیہ اور خصوصاً دارالعلوم دیوبند کو یکے بعد دیگرے جن باکمال شخصیات سے محروم ہونا پڑا، ان میں ایک نمایاں شخصیت مخدوم گرامی قدر، استاذ العلماء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی اعظمیؒ کی ہے۔ حضرت کی وفات سے ملت نے ایک قلم کار محقق مفکر، مدبر، مؤرخ، محدث اور رجال ساز، جمعیت علماء ہند کے پالیسی ساز قائد، چھ دہائیوں تک اپنے قلم سے مسلک حق کو غذا فراہم کرنے اور باطل پر ضرب کاری لگانے والے باحوصلہ، جرأت مند اور متبحر عالم دین کو کھودیا ہے، ایک قیمتی متاع ہم سے چھن گئی، بہار کے دن روٹھ گئے، طلبہ و متعلقین کی آرزوؤں کا خون ہوگیا، سیکڑوں آنکھوں نے آنسو بہائے، ہزاروں دل روئے، اشکوں کی سوغات کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے؛ تاہم رب قدیر کے فیصلے پر رضا اور تسلیم وانقیاد ہی بندۂ مومن کے لیے بڑا سہارا اور سامان تسکین ہے۔ انّ للّٰہ ما أخذ ولہ ما اعطی.

آئندہ صفحات میں حضرت مولاناؒ کی حیات وخدمات اور آثار وتصنیفات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جارہی ہے۔

پیدائش

علم وادب میں شیراز سے اور حدیث وسلوک میں یمن میمون سے مماثلت رکھنے والے خطۂ شیراز ہند (اعظم گڈھ) کی مردم خیز بستی جگدیش پور میں ۱۹۴۲ء کو آپ نے آنکھیں کھولیں، جگدیش پور کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس سے تعلق رکھنے والی تین بڑی شخصیات نے بہ یک وقت دارالعلوم دیوبند سے علم وفضل کے جام لٹائے (۱) حضرت مولانا شیخ عبدالحق اعظمی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند (۲) حضرت مولانا قاری ابوالحسن اعظمی حفظہ اللہ سابق شیخ القراء دارالعلوم دیوبند (۳) حضرت مولانا

حبیب الرحمٰن اعظمیؒ۔ آپ کے والد گرامی حافظ انوار الحق صاحبؒ تھے، دادا کا نام محمد تقیؒ تھا۔

تعلیم

گاؤں کے مکتب میں حاجی محمد شبلی صاحبؒ کے پاس پڑھنے کے لیے بٹھائے گئے۔ اس کے بعد والد گرامی نے باضابطہ ابتدائی تعلیم کے لیے آپ کو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں داخل کردیا، جہاں آپ نے بڑی محنت اور توجہ سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ گاؤں سے مدرسہ تک کا فاصلہ پیدل ہی طے کرتے تھے۔ عربی کی تعلیم مدرسہ مطلع العلوم بنارس اور دارالعلوم مئو میں حاصل کی، مدرسہ روضۃ العلوم جگدیش پور میں گلستاں حضرت پھولپوریؒ سے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت شیخ عبدالحق صاحب اعظمیؒ کی وفات (۳۰ر دسمبر ۲۰۱۶ء) کے دن دارالحدیث میں جو تعزیتی جلسہ ہوا تھا، اس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے خود اس کا بھی تذکرہ کیا تھا کہ میری پرائمری کی تعلیم کے بعد والد صاحبؒ آگے کی تعلیم کے سلسلے میں پس وپیش میں تھے؛ یہ حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ ہی تھے جن کی ترغیب اور فہمائش پر والد صاحب نے مجھے عربی کی تعلیم کے لیے ان کے ہمراہ بھیج دیا۔ میں حضرت مولانا کے اس احسان سے بھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔

شوال ۱۳۸۲ھ میں دورۂ حدیث شریف کے لیے آپ نے ام المدارس دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، اس وقت فخر المحدثین، تلمیذ شیخ الہند حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ دارالعلوم کی مسند مشیخیت کو زینت بخشے ہوئے تھے اور بڑی تحقیق وتعمق کے ساتھ صحیح بخاری کا درس دیا کرتے تھے؛ چنانچہ آپ نے حضرت مولاناؒ سے صحیح بخاری، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے سنن ترمذی، مولانا بشیر احمد خاںؒ سے مسلم شریف، مولانا سید فخر الحسنؒ سے ابوداؤد شریف، مولانا شریف حسن صاحبؒ سے نسائی شریف اور قاری محمد طیب صاحبؒ سے سنن ابن ماجہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی اور امتحان سالانہ میں اعلیٰ نمبرات حاصل کرکے شعبان ۱۳۸۳ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم میں آپ کا قیام ایک ہی سال رہا، تاہم اسباق میں حاضری اور علمی وادبی سرگرمیوں میں شرکت کے سبب طلبہ میں نمایاں رہے اور آپ ہی نے کوشش کرکے رفقا کی مدد سے، دو حصوں میں بٹی ہوئی علاقائی انجمن کو ختم کرکے ''نادیۃ الاتحاد'' ضلع اعظم گڈھ کے نام سے متحدہ انجمن قائم کی اور تمام طلبہ کو اس میں شیر وشکر کردیا۔

تدریس

فراغت کے بعد تدریسی خدمات سے وابستہ ہوئے، اشرف المدارس گھوسی مئو، مدرسہ قاسم العلوم

منگراواں اور مدرسہ جامع مسجد اٹالہ جون پور میں اپنی خدمات پیش کیں۔حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کی ہدایت اور ترتیب کے مطابق تبلیغی مہم میں بھی لگے اور دیو بند آمد سے قبل کئی سال تک جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ دارالعلوم دیو بند کے موجودہ مہتمم حضرت اقدس مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی حفظہ اللہ یہاں کے آپ کے رفقاء تدریس میں سے ہیں۔

مؤتمر کی ذمہ داری

۱۹۸۰ء میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے دیو بند میں مؤتمر فضلائے دارالعلوم قائم کی اور اس کے علمی وتنظیمی کاموں کو آگے بڑھانے اور اس کے زیر اہتمام شائع ہونے والے ماہ نامہ ''القاسم'' کی ادارت کے لیے محدث کبیر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ سے رابطہ کیا، محدث اعظمیؒ نے اس کے لیے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کی نشاندہی کی اور اس طرح آپ دیو بند آ گئے۔ دیو بند آمد کے بعد آپ کا قیام مسلم فنڈ دیو بند کی بالائی منزل میں رہا، پھر موتمر کے دفتر والی بلڈنگ میں قیام منتقل ہوا جہاں آج کل ''مدنی آئی ہسپتال'' اور ''شیخ الہند ہال'' قائم ہے، قابلِ ذکر ہے کہ دارالعلوم میں مدرسی کے بعد بھی آپ عرصے تک وہیں مقیم رہے اور وہاں سے منتقل ہونا بھی نہیں چاہتے تھے؛ تا کہ مؤتمر کی بلڈنگ ہونے کی شناخت باقی رہے؛ لیکن اس کے بعد ایسے حالات پیدا کیے گئے اور سازشوں کے جال بُنے گئے کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے آپ کو بہ اصرار وہاں سے منتقل ہونے کا حکم فرمادیا۔ اس طرح مؤتمر کی بلڈنگ اور اس کا مرحوم دفتر اپنی اصلی شناخت کھو بیٹھے۔مؤتمر کے لیے آپ کے کام اور لگن کو دیکھ کر حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ بڑے متاثر ہوئے، آپ پر حد درجہ اعتماد کرنا شروع کر دیا اور یہ بھی کہا کہ روزانہ دونوں وقت آپ کھانا میرے گھر کھایا کریں؛ لیکن مولانا کا مزاج اس سلسلے میں مختلف تھا؛ اس لیے صاف معذرت کر لی، خود ہی کھانا بناتے اور کھاتے تھے؛ البتہ جب مولانا اسعد مدنیؒ دیو بند میں ہوتے اور آپ کو طلب کرتے تو ساتھ میں کھانا تناول فرمالیتے تھے۔

دارالعلوم دیو بند میں خدمت تدریس کے لیے انتخاب

آپ کی تدریسی وقلمی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے دارالعلوم دیو بند کی نئی انتظامیہ کی طرف سے شوال ۱۴۰۲ھ میں درجۂ وسطیٰ عربی میں مدرس کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا۔ ماہ شعبان ۱۴۱۴ھ میں مجلس شوریٰ نے درجۂ علیا میں آپ کی ترقی منظور کی۔ مختلف اوقات میں ہدایہ، مشکاۃ المصابیح، جلالین، نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، مقدمۂ ابن الصلاح، تدریب الراوی، سنن ابی داؤد اور صحیح مسلم

جیسی اہم کتابیں آپ سے متعلق رہیں۔ آپ بڑی محنت اور توجہ واہتمام سے مفوضہ اسباق پڑھاتے تھے، گھنٹوں کتابوں کے مطالعے میں مستغرق رہتے اور شروح ومتعلقات کو ایک طرح سے پی لیتے تھے؛ اس لیے طلبہ میں آپ کے اسباق حد درجہ مقبول ہوتے اور روز بہ روز ان اسباق کی نافعیت وافادیت بڑھتی ہی گئی۔ ہمیں آپ سے سنن ابوداؤد پڑھنے کی سعادت ملی ہے۔ فقہ الحدیث کے علاوہ روایت کے رجال واسناد پر محققانہ اور مفصل کلام کرتے تھے اور ساری بحث آپ مستحضر کر کے آتے تھے، کسی پرچی یا حاشیے پر کچھ نہیں لکھتے؛ بلکہ طالب علم جو نسخہ سامنے رکھ دیتا اسی میں شروع ہوجاتے اور روایت ودرایت کے اعتبار سے جو دریا بہاتے، علم کے متلاشی اس کے دریائے علم وتحقیق سے دامن مراد کو خوب بھرنے کی کوشش کرتے۔ آپ کا درس عموماً لطیفے، واقعات اور غیر ضروری مشمولات سے پاک ہوتا، شروع سے اخیر تک مغز ہی مغز ہوتا۔ علم حدیث سے آپ کی مناسبت اور مہارت کو دیکھتے ہوئے صحیح بخاری کے بعض اجزا بھی آپ سے متعلق کردیے گئے تھے؛ لیکن تعلیمی تعطل کے سبب درس صحیح بخاری کے آغاز سے قبل ہی آپ اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔

رسالہ ''دارالعلوم'' کی ادارت

آپ کے قلم سے کئی کتابیں اور تحقیقی مضامین منصۂ شہود پر آچکے تھے اور اس سے قبل مؤتمر کے ترجمان ماہ نامہ ''القاسم'' کی بھی کامیاب ادارت فرما چکے تھے؛ اس لیے مدرسی کے صرف تین سال بعد معزز اراکین شوریٰ نے ۱۴۰۵ھ میں دارالعلوم کے ترجمان ماہ نامہ ''دارالعلوم'' کا مدیر نامزد کیا۔ مسلسل ۳۲ سال تک کامیابی کے ساتھ آپ نے ادارت کے فرائض انجام دیے اور اس دوران فکر انگیز اداریے اور علمی وتحقیقی مضامین رسالے کے صفحات کو زینت بخشتے رہے۔ حضرت مولانا کی ادارت میں متعدد خاص نمبر بھی شائع ہوئے، جن میں ''ختم نبوت نمبر'' اور ''الاحسان نمبر'' خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

احسان وسلوک

آپ نے جن خانوادے میں آنکھیں دکھولیں اور جس ماحول میں پروان چڑھے؛ وہاں اہل اللہ کی آمد اور صالحین کے فیض صحبت کی برکات عام تھیں، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ کی زیر تربیت کم عمری میں رہنے کا موقع مل گیا تھا اور فراغت کے بعد باضابطہ حضرت کی نگرانی میں کام کیا اور اصلاح باطن کی طرف متوجہ رہے۔ باضابطہ اصلاحی تعلق آپ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ سے قائم کیا ہوا تھا، حضرت سے بیعت بھی تھے اور سہارنپور خانقاہ میں حاضری بھی دیا کرتے تھے۔ حضرت کی وفات کے بعد کبھی کبھار خانقاہ تشریف

لیجاتے اور حضرت مولانا طلحہ صاحبؒ کی مجلس میں شرکت کرتے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ وخادم خاص حضرت مولانا محمود صاحب نے جو زندگی بھر دیوبند میں ہی مقیم رہے، آپ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا تھا؛ لیکن آپ کی طبیعت ہی کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ اخفاء حال کے ساتھ تعلیم وتدریس میں ہی لگے رہے؛ البتہ آخر شب میں بیدار ہوکر خوب ذوق وشوق سے عبادت اور معمولات کے مکمل کرنے کا حددرجہ اہتمام تھا۔ وفات سے چند ساعات پیشتر بھی لیٹے ہوئے ذکر میں مشغول تھے اور ہوش رہنے تک انگلیوں کے پوروں پر تسبیح پڑھتے رہے۔

ذوق مطالعہ وجمع کتب

عمر کی آٹھویں دہائی میں پہنچ جانے کے باوجود آپ کے ذوق مطالعہ میں کوئی کمی نہیں آئی؛ بلکہ مکمل انہماک اور یکسوئی کے ساتھ گھنٹوں مطالعے کا معمول تھا، خالص علمی اور فنی کتابوں کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کرتے؛ چنانچہ سال گزشتہ آپ نے بالاستیعاب اولاً امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) کی ''الاسماء والصفات'' کا اور ثانیاً کمال احمد بیاضی ترکی (۱۰۹۷ھ) کی مشہور کتاب ''اشارات المرام من عبارات الامام'' کا مطالعہ کیا۔ ہر روز عصر کے بعد حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضری کا معمول تھا، حضرت والا کبھی کبھار اس دن کے مطالعے کے اہم عناوین ذکر فرمادیتے اور کبھی کسی بات کی وضاحت کے لیے خاص حوالے اور مرجع کی تلاش کا بھی حکم دیتے۔ آخر الذکر کتاب سے حددرجہ متاثر تھے اور اس کے علمی مباحث اور خوبیوں کے خوب گن گاتے تھے۔ علامہ کوثری کے مقدمے کی بھی تعریف کرتے تھے۔ شروع سے ہی آپ کو مطالعے کا چسکا لگا تھا اور زیادہ تر وقت اس کی نذر کردیتے تھے۔ آپ کے رفیق قدیم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی حفظہ اللہ جامعہ اسلامیہ بنارس کے قیام کا اپنا مشاہدہ ذکر کرتے ہیں:

''ان کا سارا وقت علمی کاموں میں صرف ہوتا، وہ سرسری اور رواں مطالعہ کے قائل نہیں تھے، جس موضوع پر کچھ لکھنے کا ارادہ ہوتا اس سے متعلق قدیم وجدید مراجع کا گہرائی سے مطالعہ کرتے اور حاصل مطالعہ یادداشت کی شکل میں جمع کرتے جاتے اور جب اپنے طور پر مطمئن ہوجاتے تو تحریر کے لیے قلم اٹھاتے''

اس ذوق مطالعہ کی تسکین کے لیے اپنی ذاتی لائبریری میں قیمتی کتابوں کا ذخیرہ کیا ہوا تھا، کتابوں کی کثرت اور تنوع کا یہ عالم تھا کہ قیامگاہ کے اندرونی ہال میں پہنچنے والا نو وارد یہ خیال کرتا کہ میں کسی مکتبہ علم میں پہنچ گیا ہوں، کوئی شاگرد اہل تعلق میں سے کوئی کسی تحقیقی یا نادر کتاب کا ہدیہ لے آتا تو سرشار ہوجاتے، عام معمول کتاب خرید کر پڑھنے کا تھا اور کتابوں کی خریداری پر بڑی رقم صرف

کرتے تھے، سہارن پور کے مشہور تاجر کتب جناب مولانا جنید صاحب قاسمی، جن کے پاس بیرونی مطبوعات کا ذخیرہ ہوتا تھا، دیوبند آتے تو بیروت ودیارعرب سے شائع نئی کتابوں کی فہرست ضرور حضرت کی خدمت میں پیش کرتے اور حضرت مولانا ان سے بہ یک وقت کئی کئی ہزار کی کتابیں خریدتے تھے۔ کتابوں کے اس درجہ شوق اوراہتمام کے باوجود عام قسم کی سطحی کتابوں سے بڑا بیر تھا۔ مفت میں آنے والے اس طرح کے ذخائر کو کبھی اپنی ذاتی لائبریری کا حصہ بنانے پر راضی نہ ہوتے تھے۔ اس طرح آپ کی ذاتی لائبریری منتخب علمی، ادبی اور فنی کتابوں پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے ایک گراں قدر تراث ہے۔

علمی استحضار

خوب پڑھنے اور مطالعہ کرتے رہنے سے قوت حافظہ مضبوط اور علم تازہ ومستحضر رہتا ہے؛ چنانچہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: "لا اعلمُ انفع للحفظ من مهمة الرجل ومداومة النظر" (سیراعلام النبلاء،۱۲/ ۴۰۸) ''میرے نزدیک یادرکھنے کے لیے انسان کے انہماک اور مسلسل مطالعہ وکتب بینی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔''

چنانچہ حضرت مولانا کا بھی کثرت مطالعہ کی وجہ سے علمی استحضار غضب کا تھا، کوئی علمی نشست ہو یا نجی مجلس، کسی خاص موضوع پر بولتے ہوئے علم ومعرفت کے خوب موتی لٹاتے تھے۔ جامعہ مظہرسعادت ہانسوٹ میں ایک بار گجرات کے اہل علم کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے ہندوستان میں مدارس اور علماء کے کردار کے حوالے سے ایسی مدلل تاریخی حقائق اور حوالہ جات پر مشتمل گفتگو فرمائی کہ مجمع عش عش کر اٹھا اور بہت دنوں تک گجرات میں اس خطاب کا چرچا رہا۔ ایک دن عصر بعد کی مجلس میں ایک صاحب نے مرنے والوں کے آخری احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ایک محدث کو کلمہ کی تلقین کے لیے ان کے شاگردوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کلمہ والی حدیث کا مذاکرہ کرنے لگے، حضرت مولانا نے فوراً فرمایا کہ یہ واقعہ ابوزرعہ رازی کا ہے۔ ان کے دوشاگرد ابوحاتم رازی اور محمد بن مسلم ان کی وفات کے وقت موجود تھے اوراپنے استاذ کی عظمت شان کے پیش نظر براہ راست کلمہ تلقین کرنے کے بجائے پہلے محمد بن مسلم نے کلمہ والی روایت کی سند صالح بن ابی غریب تک ذکر کی اور خاموش ہوگئے، ابوحاتم رازی نے بھی یہی کیا، یہ سن کر ابوزرعہ سہارے سے بیٹھ گئے اور آگے کی سند ذکر کرتے ہوئے فرمایا: عن كثير بن مرة الحضرمي عن معاذ بن جبل قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان آخر كلامه لا إله إلا الله، اتنا کہنا تھا کہ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ مفتی خالد حسین نیموی قاسمی سابق معین المدرسین دارالعلوم دیوبند نے

اپنے مشاہدے میں لکھا ہے کہ حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار خطاب میں اس واقعے کا ذکر کیا جس میں یہ ہے کہ دشمن کی فوج نے مسلمانوں کے لشکر کو مسواک کرتے دیکھ کر پسپائی اختیار کر لی تھی اور حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ یہ واقعہ کب کا ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے؟ لیکن اس میں شاندار پیغام ہے'' یہ سن کر مجلس میں موجود حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے برجستہ کہا: یہ واقعہ بنی امیہ کے زمانے کا ہے اور فلاں کے ساتھ پیش آیا، ایسا علامہ ابن خلدون کی تاریخ العبر (مکمل نام ''العِبر وديوان المبتدأ والخبر في أيام العرب والعجم والبربر، ومن عاصرهم من ذوي السلطان الأكبر'') اور فلاں فلاں کتاب میں مذکور ہے۔ اس پر حضرت مفتی صاحبؒ نے مولاناؒ کا شکریہ ادا کیا اور خوب داد دی اور فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کے سب سے بڑے تاریخ داں نے تصدیق کر دی ہے واقعے کی صداقت کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

اخلاق وصفات

انتہائی راست باز اور صاف گو واقع ہوئے تھے۔ ظاہر و باطن کے تضاد اور تملق و چاپلوسی کے عیوب سے پاک تھے، کسی کے منصب، عرفی وجاہت یا دولت وثروت سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے تھے، نستعلیقی مزاج کے حامل، نفاست پسند اور خوش پوشاک تھے، اخیر وقت تک صحت مند اور صباحی تفریح کے عادی رہے، بہ ظاہر کوئی بیماری نہیں تھی، اپنے کام خود کرتے تھے، دیوبند میں آخری دن تک اپنے ہاتھ سے کھانا بناتے رہے، طرح طرح کے لذیذ کھانے بنالیتے اور گاہے گاہے اپنے چند احباب و متعلقین اور نیازمند شاگردوں کو بھی مدعو کر لیتے۔ حضرت الاستاذ مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم سے آپ کے دیرینہ روابط وتعلقات تھے اور دونوں اکابر ایک دوسرے کا بڑا لحاظ فرماتے تھے، کبھی مولانا کی دعوت کرتے تو بڑے اہتمام سے دیسی گھی میں بکرے کا گوشت پکاتے اور حضرت مولانا مدنی کے ساتھ حضرت الاستاذ مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی اور حضرت مولانا سید اسجد مدنی بھی زینے طے کر کے آپ کی قیام گاہ پر تشریف لاتے اور پرلطف ماحول میں کھانا تناول فرماتے۔ اس طرح کی دعوت شیرازی سے ایک دن قبل ہی حضرت مولانا اعظمیؒ، مولانا مصلح الدین صاحب، مولانا افضل صاحب بستوی اور احقر کو حکم فرما دیتے کہ تم تینوں پہلے ہی پہنچ جانا، چنانچہ ہم لوگ پہلے پہنچ کر اپنے حصے کا کام انجام دیتے، حسب حکم کوئی مسالہ پیتا، کوئی لہسن کوٹتا اور لذت کام ودہن سے بھی قسط وافر پا کر اپنی قسمت پر نازاں وشادکام لوٹتے۔

طلبہ کے لیے شفیق اور ہمیشہ ان کے مسائل کے حل اور کامیابی وبہتری کے لیے کوشاں رہتے، آپ کے رعب اور انقطاع الی العلم کی کیفیت کی وجہ سے بہت سے طلبہ قریب جانے کی ہمت نہیں

جٹا پاتے؛ لیکن جو قریب سے آپ کا مشاہدہ کرتا وہ اخلاق وشفقت کا گرویدہ ہو جاتا۔ سال گزشتہ دورے کے ایک طالب علم لقمان سلّمہٗ امتحان دینے اور سند لینے کی غرض سے دارالعلوم آئے تو ہمت جٹا کر اور کچھ ہدیہ لے کر حضرت خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت! آپ کے رعب کی وجہ سے ملاقات کی ہمت نہیں ہوتی تھی؛ لیکن اب چوں کہ میں دارالعلوم سے جارہا ہوں اس لیے ہمت کر کے یہ حقیر تحفہ لے کر حاضر ہوا ہوں، حضرت والا مسکرائے طالب علم کو بٹھایا اور بڑی شفقت سے پیش آئے۔ وہ طالب علم بڑے متاثر ہوئے اور بعد میں کہنے لگے: ہمیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایک عام طالب علم کے ساتھ بھی اس قدر محبت اور اپنائیت سے پیش آتے ہیں۔ حضرت والا نے بھی اس دن عصر بعد کی مجلس میں اس واقعے کا تذکرہ کیا۔ صفائی معاملات کا بڑا اہتمام تھا: حساب کر کے اپنے اوپر کسی کا ایک پیسہ نہیں رہنے دیتے؛ البتہ دوسرے سے وصول کرنے میں نرمی ومصالحت سے کام لیتے تھے۔ دارالعلوم کے ہی ایک استاذ نے صغیر کالونی دیوبند میں واقع آپ کا پلاٹ آپ سے خریدا، آپ نے ایک تو مارکیٹ کے اعتبار سے مناسب قیمت طے کی دوسرے یہ کہ جب وہ استاذ ادائیگی کے لیے رقم لے کر آئے تو اس وقت بھی آپ نے پوری رقم وصول کرنے کے بجائے ایک حصہ یوں ہی معاف کر دیا۔ تعلقات کو نباہنا اور چھوٹوں کے کام آنا خوب جانتے تھے، مولانا فضیل صاحب کارکن شعبۂ خرید وفروخت دارالعلوم دیوبند، آپ کے انتہائی معتمد اور خادم خاص رہے۔ ایک بار ان کو کچھ پریشانی لاحق ہوگئی تھی، تو ہم نے دیکھا حضرت مولانا انتہائی بے چین ہیں اور کرب محسوس کر رہے ہیں اور کئی بار مجلس میں بھی اس کا تذکرہ کیا تا آں کہ آپ کی کوشش اور دعا سے اللہ پاک نے مولانا فضیل صاحب کو راحت عطا کر دی تب جا کر آپ کو قرار آیا اور پرسکون نظر آئے۔ حضرت مولانا اسجد مدنی صاحب حفظہ اللہ سے بھی آپ کو تعلق خاطر تھا، رمضان سے قبل مولانا مدنی آپ سے ملاقات کے لیے اعظم گڈھ پہنچے تو آپ نے حد درجہ اکرام ومحبت کا معاملہ کیا اور روانہ کرنے کے لیے گھر سے باہر تک آئے، اس وقت طبیعت میں کچھ گراوٹ محسوس ہو رہی تھی۔ مولانا اسجد صاحب نے عرض کیا کہ آپ واپس تشریف لے جائیں یا بیٹھ جائیں، آپ نے فرمایا: نہیں، جہاں تک آپ کی گاڑی نظر آئے گی دیکھتا رہوں گا؛ چنانچہ کسی کا سہارا لے کر آپ اس وقت تک کھڑے رہے جب تک گاڑی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوگئی۔

خود بندے کے اوپر حضرت والا کی اس قدر شفقتیں اور عنایتیں رہی ہیں جن کے تذکرے کے لیے طویل مضمون درکار ہے۔ اللہ پاک حضرت والا کو ہم چھوٹوں کی طرف سے اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائیں۔

حضرت والا عابد شب زندہ دار اور تہجد و معمولات کے انتہائی پابند تھے۔ رات کو جلد سونے اور آخری شب میں اٹھ کر بارگاہ الٰہی میں راز و نیاز اور مناجات کا عام معمول تھا۔ فجر کی نماز کے بعد اذکار میں مشغول رہتے اور طلوع آفتاب کے بعد ہی کسی اور کام میں لگتے۔ ہر جمعہ کو جلد تیار ہو کر زوال سے قبل ہی مسجد پہنچ جانے اور نماز و تلاوت کا اپنا معمول پورا کرتے۔

بڑے خوددار، مستغنی اور سیر چشم واقع ہوئے تھے۔ آپ کی کئی کتابیں دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوئیں اور ضابطے کے اعتبار سے اکرامیہ کی پیش کش کی گئی؛ لیکن کبھی کسی کتاب پر ایک پیسہ بھی دارالعلوم سے لینا گوارا نہیں کیا اور فرمایا: دارالعلوم کو کتاب دے دی تو دے دی۔ اس سے آگے نہیں چاہیے۔ واقف کار جانتے ہیں کہ دارالعلوم کے لیے آپ نے غیر معمولی قربانیاں دی ہیں، اپنی جان تک کو داؤ پر لگا دیا تھا؛ اس لیے اپنے اس چمن سے محبت اور اس کی فکر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دارالعلوم کی تعمیر و ترقی اور اس کی علمی و روحانی پیش رفت سے جہاں آپ کو قلبی مسرت ہوتی وہیں دارالعلوم کے مفاد اور اس کے فکر و مشن کے خلاف کوئی چیز نظر آتی تو سخت کڑھن محسوس کرتے اور کبھی باقاعدہ اس کے خلاف اپنی ناراضگی درج کرواتے۔ دارالعلوم کے معزز ارباب انتظام بھی آپ کا بڑا لحاظ رکھتے اور آپ کی مخلصانہ آرا کا احترام کرتے تھے۔

ذوق شعر و ادب

شعر و ادب کا بھی صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے، قدیم و جدید شعراء کے سیکڑوں اشعار نوک زبان تھے اور موقع محل کی مناسبت سے عموماً کوئی ایسا شعر پڑھ دیتے تھے جس سے مجلس میں جان پڑ جاتی تھی۔ معتبر شعراء کے دواوین آپ کے زیر مطالعہ رہتے۔ یاد پڑتا ہے کہ لاک ڈاؤن سے پہلے ایک دن آپ نے فرمایا تھا کہ آج کل احمد فراز اور خلیل الرحمٰن اعظمی کو پڑھ رہا ہوں۔ کسی زمانے میں آپ نے خود شاعری بھی کر رکھی ہے۔ حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی حفظہ اللہ اپنے تاثراتی مضمون میں فرماتے ہیں:

”مولانا کو فارسی نثر و نظم کا بہت اچھا ذوق حاصل تھا، اسی زمانے میں انھوں نے حافظ شیرازیؒ کی مشہور نظم:

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمری بینم — ہمہ آفاق براز فتنہ وشری بینم
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر بالاں — طوق زریں ہمہ درگردن خرمی بینم

کا اردو ترجمہ بھی اشعار میں کیا، جو ان کی ڈائری میں محفوظ ہے، وہ ڈائری بہت قیمتی ہے، مولانا کے ورثہ کو چاہیے کہ اس کی حفاظت کریں۔“

جمعیت سے وابستگی

امت کے دردوکڑھن اورملی مسائل سے دلچسپی کی وجہ سے جمعیۃ علماء ہند سے گہری وابستگی رہی، جمعیت کے پالیسی ساز قائداوراس کے فکر ومشن کے امین تھے، آپ جس خطے سے تعلق رکھتے تھے وہاں مسلم لیگ کے اثرات زیادہ تھے، اس کے باوجودایام شباب میں اپنے علاقے میں جمعیت کی بنیاد کے استحکام اوراس کے فکر کی اشاعت کے لیے آپ نے قابل قدر موٴثر کارنامے انجام دیے؛اس لیے آپ شروع ہی سے اکابر جمعیت کے منظور نظر اوران کے دست وبازو بنے رہے۔صدر جمعیت حضرت مولانا سیدارشد مدنیؒ جمعیت سے آپ کے تعلق اوراس کے لیے آپ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی قاسمیؒ ایک مدت سے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رکین چلے آرہے تھے، میٹنگ کی کارروائیوں میں پوری دلچسپی لیتے اورمضبوط وٹھوس دلائل کے ساتھ اپنی بات رکھتے،مصلحت پسندی سے ان کی باتیں بہت دور ہوتی تھیں، میٹنگ کی اکثر وبیشتر تجاویز انھیں کے قلم کی مرہون منت ہیں۔''

تصنیفات وتالیفات

عنفوانِ شباب سے ہی آپ کا اشہب قلم رواں رہاہےاورآپ نے مختلف علمی وتاریخی موضوعات پرگراں قدر تصنیفات کا قابلِ قدر سرمایہ چھوڑا ہے۔اس طرح کی چھوٹی بڑی تصنیفات کی تعداد تیس سے متجاوز ہے، جن میں ''تذکرہٴ علماء اعظم گڈھ، اجودھیا کے اسلامی آثار، شرح مقدمہ شیخ عبدالحق فی بیان بعض مصطلحات الحدیث، نورالقمر فی توضیح نزہۃ النظر، شیوخ الامام ابی داوٴدالسجستانی فی سننہ، سرسید احمد خاں کا نظریہٴ حجیت حدیث، مقالات حبیب، حرمت مصاہرت، علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کا مقام ومرتبہ، میت پر اظہارغم کے مسائل ودلائل، مسئلہ امارت وامامت'' وغیرہ شامل ہیں۔ذیل میں اہل علم کی خدمت میں اہم علمی یادگار کا قدرے تفصیلی تعارف پیش ہے۔

شیوخ الامام ابی داوٴدالسجستانی فی سننہ

یہ آپ کی محققانہ اورعلمِ رجال میں تبحر پر شاہدعدل تصنیف ہے، سنن ابی داوٴد کا درس عرصے تک آپ سے متعلق رہاہے، اس تصنیف میں آپ نے نہایت تحقیق سے امام ابوداوٴد سلیمان بن اشعث السجستانی کے اساتذہ وشیوخ نیز شیوخ الشیوخ کو جمع کردیا ہے اوراحمد بن ابراہیم الموصلی سے آغاز کرکے یوسف بن موسیٰ القطان تک الف بائی ترتیب پر تین سو بانوے شیوخ کے تراجم واحوال ذکر کردیے ہیں۔شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند سے پہلی مرتبہ ۲۰۰۶ء میں اس کی معیاری طباعت عمل

میں آئی، دوسوساٹھ صفحات پر مشتمل یہ کتاب علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کے لیے ایک گراں قدر علمی تحفہ ہے۔

انتقاء اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم وآدابہ

''اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم وآدابہ'' حافظ ابوالشیخ عبداللہ بن محمد اصفہانیؒ (۲۷۴-۳۶۹ھ) کی مشہور تصنیف ہے جو دوسواڑتالیس ابواب پر مشتمل ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل کو جامع ہے۔ چار ضخیم جلدوں میں ریاض سے صالح بن محمد کی تحقیق سے اور اس سے پہلے بیروت سے شائع ہوچکی ہے۔اس کی اہمیت کے پیش نظر مشہور مغربی محدث ابوبکر طرطوشی (۵۲۰ھ) نے اس کی تقریب وتلخیص کا کام انجام دیا۔ شیخ ناصرالدین البانی نے بھی اس کا اختصار کیا ہے۔ حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کواس کتاب سے غیر معمولی تعلق رہا ہے؛ البتہ اس کا بھی شدید احساس تھا کہ مصنفؒ نے اگرچہ ہر روایت کوانھیں اسا ☐ سے ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے، تاہم اس میں ضعفاء ومتروکین کے درجے کے رواۃ بھی آگئے ہیں جس سے کھرے کھوٹے میں تمیز کرنا قاری کے لیے مشکل تھا اور یہ ابوالشیخ کی تمام تصنیفات کا حال ہے؛ کیوں کہ ان کی توجہ جمع روایات پر زیادہ تھی خود حافظ ذہبیؒ نے بھی اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابوالشیخ متبع سنت اور باعمل عالم ہیں؛ البتہ ان کی تصنیفات میں بے اصل روایات بھی درآئی ہیں۔ "قد كان أبو الشيخ من العلماء العاملين صاحب سنة واتباع؛ لولا يملأ تصانيفه بالواهيات" (سیر اعلام النبلاء ۲۷۹/۱۶)؛ اس لیے حضرت مولانا اس کے انتقا اور صحیح وسقیم میں امتیاز کی ضرورت عرصے سے محسوس کررہے تھے اور سال گزشتہ لاک ڈاؤن کے سبب تدریسی سرگرمیوں سے انقطاع کے ایام میں آپ نے اس کام کوسرانجام دیا اور سوصفحات میں اس کتاب کی صحیح روایات پر مشتمل منتخب مجموعہ مرتب کردیا اور احقر کو مسودہ حوالہ کرتے ہوئے اس کی طباعت کا حکم فرمایا۔ بندے کی درخواست پر استاذ گرامی حضرت مولانا نور عالم خلیل امینیؒ نے عام طباعت سے قبل قسطوار مجلّہ ''الداعی'' میں اس کو شائع کرنا منظور فرمالیا، اب تک اس کی چار قسطیں شائع ہوچکی ہیں جن میں مجموعی اعتبار سے ۲۳۷ روایات تنقیح کے ساتھ آچکی ہیں۔ مزید ایک دوقسطوں میں سلسلہ مکمل ہونے کی امید ہے؛ لیکن افسوس چوتھی قسط کے ساتھ ہی صاحب افادہ حضرت مولانا اعظمیؒ اور مجلّے کے ایڈیٹر حضرت مولانا امینیؒ دونوں دس دن کے وقفے سے داغ مفارقت دے گئے، دیوبند نے علم وادب کو اپنی تہہ میں چھپالیا۔ رحمهما الله تعالىٰ رحمةً واسعةً. اس کتاب میں حضرت الاستاذ نے صرف صحیح روایات کا انتخاب کیا ہے اور ہر روایت کی معتبر ومتداول کتب حدیث سے تخریج کے ساتھ سندی حیثیت بھی

متعین کردی ہے۔ کہیں اگر مصنفؒ کے ذکر کردہ رُواۃ قابل اعتبار ہیں اور کسی خاص راوی پر نقد شدید نہیں ہے تو اس روایت کو بھی لینے سے دریغ نہیں کیا ہے؛ چنانچہ "یأکل بثلاثة اصابع" والی روایت پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "رجال المصنف ثقات، سوی علي بن حرب الطائي وهو صدوق" (الداعی شوال ۱۴۴۲ھ، ص۴۹) اور اگر مصنف ابوالشیخؒ کی ذکر کردہ سند ضعیف ہے؛ لیکن وہ روایت دوسرے صحیح طرق سے بھی وارد ہوئی ہے تو آپ نے اس روایت کو بھی باقی رکھا ہے؛ البتہ صورت حال کی وضاحت کردی ہے؛ چنانچہ ۲۲۴ نمبر پر درج روایت کے سلسلے میں فرماتے ہیں: فی سند المصنف عبدالحمید بن عبدالعزیز بن ابی روّاد وهو ضعیف. والحدیث صحیح أخرجه مسلم فی الأشربة من طرق أخریٰ عن حذیفة" (حوالہ بالا)

بہ ہر حال یہ انتقار بھی اہم علمی وحدیثی کارنامہ ہے اور اس لائق ہے کہ بڑے پیمانے پر اس کی اشاعت کرکے اس کے افادے کو عام کیا جائے۔

تذکرۂ علماء اعظم گڈھ

اس کتاب میں آپ نے علم وفن کی سرزمین اعظم گڈھ سے تعلق رکھنے والے علماء ومشاہیر کے حالات نہایت تحقیق اور جامعیت سے یکجا کردیے ہیں۔ اس کے لیے آپ نے صرف مطبوعہ کتابوں پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ مختلف مقامات کی خاک چھانی، کتابات پڑھے، متعلقہ اشخاص سے مسلسل رابطے کیے؛ اس لیے کتاب کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور اسے دستاویزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس کا پہلا اڈیشن ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا تھا۔ ۲۰۱۲ء میں مرکز دعوت وتحقیق دیوبند سے شائع دوسرے اڈیشن میں مزید پچاس علماء کے حالات کا اضافہ کیا۔ ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، مولانا منظور نعمانیؒ، قاضی اطہر مبارک پوریؒ، ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمیؒ اور پروفیسر محمد ایوب قادریؒ جیسی شخصیات نے کتاب کے بارے میں بڑی وقیع رائے کا اظہار کیا ہے۔

اجودھیا کے اسلامی آثار

یہ بھی حضرت مولاناؒ کی مشہور تصنیف ہے جس میں اجودھیا کے علماء، مشائخ، مشہور مساجد اور مقابر کی تاریخ مستند ومعتبر حوالوں کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ حضرت مولاناؒ نے پچاس سے زائد مآخذ کی مدد سے اس موضوع سے متعلق منتشرہ مواد کو جمع کرکے دل صد پارہ کو یکجا کردیا ہے۔ حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی بجنوریؒ اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں: "اجودھیا کے اسلامی آثار" میں تقریباً ۲۷ مشاہیر اہل علم اور مشائخ تصوف کا ذکر ہے جنھوں نے اجودھیا کی سرزمین میں توحید کا چراغ روشن کیا ہے، انھیں حضرات کی متعدد خانقاہوں کا ذکر جمیل ہے، جہاں ذکر الٰہی کی مجلسیں

قائم رہی ہیں، کتنے ہی ایسے مقابر ومزارات کی تفصیلات ہیں جن میں علم ومعرفت اور شریعت وطریقت کے خزانے مدفون ہیں اور متعدد اہم ترین مسجدوں کے تفصیلی تذکرے ہیں جن سے اسلامی تاریخ وابستہ ہے اورانھیں مسجدوں میں ایک بابری مسجد بھی ہے جس کے سلسلے میں یوم تاسیس سے لے کرآج تک کی صحیح مفصل اور مستند سرگزشت سپردقلم کی گئی ہے'' (کتاب مذکور کاص ٦) ان بکھری ہوئی داستانوں کوسمیٹنے اور تاریخ کے اوراقِ پریشاں کو یکجا کرنے میں حضرت مولاناؒ نے جوآبلہ پائی کی ہے اور صبرآزما حالات سے گزرے ہیں، اس کا اندازہ اسی کو ہوسکتا ہے جس کواس طرح کے کاموں سے سابقہ پڑا ہو۔ حضرت مولانا بھی کبھی کبھار مجلس میں اس کی کچھ روداد سنایا کرتے تھے۔ ۱۹۹۰ء میں شیخ الہند اکیڈمی نے اس کو بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

مكانة الامام فی الفقه والحديث والكلام

یہ حضرت مولانا کی آخری اورنہایت قابل قدر تصنیف ہے۔ تعلیمی تعطل کے ایام میں آپ شبانہ روز اس میں لگے رہے اور بڑی محنت وجا[illegible]نی سے یہ دستاویزی کتاب تیار کی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے فضائل ومناقب پر یوں تو قابل قدر تصنیفی سرمایہ موجود ہے؛ لیکن اس کتاب میں حضرت مولانا نے بڑی قوت کے ساتھ فقہ کے علاوہ علم عقائد وعلم حدیث میں حضرت امام کی انفرادیت وامامت اور جلالت شان کواجاگر کیا ہے، اردو میں شاید ہی حضرت امام اورعلم کلام کے موضوع پر کسی نے اس قدر تفصیل سے گفتگو کی ہو، کتاب کی تکمیل کے لیے آپ نے سیکڑوں ماٰخذ ومصادر کی طرف مراجعت کی۔ اپنے پاس موجود ذخائر کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً بعض اہم کتابوں اور تحقیقی مقالات کے متعلق بندے کو حکم فرماتے اور بندہ نٹ سے تلاش کر پرنٹ نکلوا کر اور با[illegible]نگ کروا کر حضرت کی خدمت میں پیش کرتا جس پر حضرت بڑی مسرت کا اظہار کرتے اور دعاؤں سے نوازتے۔ اس کتاب کا کچھ حصہ آپ نے وطن میں لکھا ہے؛ اس لیے اس کی آخری شکل ہم لوگ اب تک نہیں دیکھ سکے ہیں اور پورا مسودہ حضرت کے ورثاء کی تحویل میں ہے۔ بعض اہلِ تعلق اہلِ علم کو چوں کہ آپ کی اس تصنیف کا کسی درجے میں علم ہوگیا تھا؛ اس لیے وہ بھی فکر میں ہیں کہ کسی طرح یہ علمی سرمایہ طبع ہوجائے۔ حضرت مولانا سید اسجد مدنی صاحب نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ اگر ورثہ وہ مسودہ حوالے کردیں تو وہ اس کی طباعت کی ساری ذمہ داری لینے کو تیار ہیں۔ حضرت اقدس مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند نے بھی اپنے تاثراتی مضمون میں اس علمی سرمایے کی حفاظت پر متوجہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''مولانا مرحوم ان دونوں کسی خاص موضوع پر کچھ لکھنے کے لیے مطالعہ فرمارہے تھے اور بہ قول خود اس کے لیے موڈ بنارہے تھے اور اندازہ یہ ہے کہ اس کام کا آغاز فرماچکے تھے۔ یقیناً ان کا جمع کردہ حاصل مطالعہ

اور مرتب کردہ تحریر خاصے کی چیز ہوگی، اس کی حفاظت کرنی چاہیے اور اگر قابلِ اشاعت ہوں تو ان کی اشاعت ہونی چاہیے۔'' امید ہے کہ حضرت مولانا کے لائق ورثاء ان بزرگوں کی توجہات کو سامنے رکھتے ہوئے جلد اس سرمایے کی اشاعت کے لیے عملی اقدام کریں گے۔

مقالاتِ حبیب

یہ مختلف اوقات میں حضرت مولانا کے قلم گہربار سے نکلنے والے علمی، تاریخی اور تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے، کتاب کے مشمولات چھ ابواب پر منقسم ہیں: باب اوّل: ہندوستان میں احیاءِ علم وفکر، باب دوم: صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی منفردانہ عظمت شان، باب سوم: فرقِ باطلہ کا تعاقب، باب چہارم: مسائل ودلائل، باب پنجم: گوشۂ سیرت وتاریخ، باب ششم: تذکرۂ اربابِ فضل وکمال کے مرکزی عناوین پر مشتمل ہے۔ مقالات کا یہ گراں قدر مجموعہ گیارہ سوستاون صفحات پر تین جلدوں میں شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوا ہے۔ حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد پالن پوریؒ نے مقدمے میں کتاب کے مضامین کا تعارف کرانے کے بعد لکھا ہے: ''آپ یہ کتاب پڑھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ ان (حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی) کی سحر بیانی منفردانہ شان کی حامل ہے، مولانا کا علم پختہ، ذہن استوار اور معلومات وافر ہیں؛ اس لیے ان کی تحریروں میں قاری کو بڑے کام کے نقطے اور نکتے مل جاتے ہیں۔'' (۱۵/۱)

سلطان القلم حضرت مولانا نور عالم خلیل امینیؒ نے کتاب کے تعارف میں لکھا ہے: ''اسلامی موضوعات کے تنوع اور جامعیت کے تعلق سے گویا یہ ''دائرۃ المعارف'' اور ''قاموس العلوم'' ہے۔ یہ ہمہ گیر مجموعۂ مقالات قاری کو جہاں علم وفکر، دین ودعوت اور سیرت وتاریخ کا بھرپور درس دیتا ہے وہیں زبان و بیان کی سوغات بھی دیتا ہے۔ جوانوں کے لیے یہ کتاب بہ طور خاص ہمت وحوصلہ اور فکر ونظر کو انتہائی حد تک حرکت دینے اور جمود وکسل مندی سے ہٹا کر نشاطِ کار سے سرشار کرنے والی ہے۔'' (۱۷/۱)۔

سفرآخرت

ماہ رمضان سے قبل چند مہینوں کے دوران آپ جس تیزی کے ساتھ اپنے کام سمیٹ رہے تھے اور بعض اوقات ایسا کچھ کہہ جاتے تھے جس سے اشارے مل رہے تھے کہ دشت علم کی سیاحی کرنے والا زندگی کی راہوں کا یہ مسافر اپنی زندگی کے آخری پڑاؤ پر ہے؛ لیکن ہم اپنی غفلت کی وجہ سے یہ اشارات نہیں سمجھ سکے؛ چنانچہ چند ماہ قبل آپ کا نیا پاسپورٹ بن کر آیا تو حضرت نے مجلس میں فرمایا: یہ میری زندگی کا آخری پاسپورٹ ہے۔ مولانا افضل حسین بستوی نے عرض کیا: حضرت! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ کہنے لگے: میں عمر کے جس مرحلے میں ہوں مجھے نہیں لگتا کہ اس کی مدت مکمل ہونے تک زندہ رہ

سکوں گا۔ آپ کو اپنے اساتذۂ کرام سے بڑی عظمت وعقیدت تھی، بالخصوص حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ کا تذکرہ کرتے تو آب دیدہ ہوجاتے۔ کچھ عرصہ قبل ہی آپ نے خواب میں حضرت مولانا کو دیکھا کہ حضرۃ الاستاذ کسی اونچی فصیل پر کھڑے ہیں اور آپ اس سے نسبتاً نیچی جگہ پر ہیں؛ لیکن حضرت الاستاذؒ فرمارہے ہیں: حبیب الرحمٰن! اب تم میرے پاس آجاؤ، آپ نے اپنا یہ خواب حضرت مولانا سید اسجد مدنی صاحب سے ذکر کیا تھا اور تیاری میں لگ گئے تھے، اسی دوران مرادالعاشقین رحمت العالمین سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خواب میں زیارت سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوا؛ لیکن آپ کی موجودہ صحت کو دیکھتے ہوئے بہ ظاہر ہمارے لیے تشویش کی کوئی بات نہیں تھی۔ امراضِ قلب کے ماہر ایک ڈاکٹر کے پاس مظفرنگر گئے تھے اس نے بھی کئی طرح کے چیک اپ کے بعد اطمینان کا ہی اظہار کیا تھا۔ ماہ مبارک سے قبل آپ دیوبند سے وطن تشریف لے گئے تھے۔ وہیں سے ماہِ مبارک میں علالت کی خبریں آنی شروع ہوئیں۔ مولانا کے پوتوں سے رابطہ ہوا تو معلوم ہوا کہ طبیعت میں اتار چڑھاؤ کی کیفیت ہے اور گھر پر ہی ڈاکٹر کی نگرانی میں علاج چل رہا ہے۔ ۲۹/رمضان المبارک کو اطلاع آئی کہ طاہر میموریل ہسپتال میں داخل ہیں۔ میں نے مولانا فضیل صاحب اور حضرت کے پوتے سے خیریت دریافت کی ان حضرات نے بتلایا کہ روبہ صحت ہیں؛ لیکن انفیکشن بڑھ رہا تھا اور آپ آخرت کی اپنی منزل سے قریب ہورہے تھے۔ اس دن کے بعد آنے والی شب آپ کی زندگی کی آخری شب تھی۔ بہ وقت سحر صا□ادہ محترم مولانا عبیدالرحمٰن صاحب نے خواب دیکھا کہ دو سفید پوش آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ مولانا کو لینے آئے ہیں۔ ۳۰/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کو طبیعت میں غیر معمولی تبدیلی اور گراوٹ سے آپ نیخو محسوس کیا کہ اب شاید وقت موعود آپہنچا ہے؛ اس لیے آپ نے اپنے ورثہ کو کچھ مالی معاملات اور ضروری امور کی وصیت کی، تسبیح اور کلمہ پڑھتے رہے اور تقریباً ایک بجے روح قفس عنصری سے پرواز کرکے اپنے رب کریم کے حضور پہنچ گئی۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون. لیلۃ الجائزہ میں ۹/بجے جنازہ باہر لایا گیا، مولانا کے پوتے مولانا عفان قاسمی نے نماز جنازہ پڑھائی، لاک ڈاؤن کے باوجود قابل رشک تعداد نے جنازے میں شرکت کی اور جگدیش پور نہر کے متصل دکھنی قبرستان میں اپنے والد گرامی حافظ انوار الحق صاحبؒ کے بازو میں دفن کردیے گئے۔ بارالٰہ! دین متین کے خادم اور حدیث نبوی کے شارح تیری بارگاہ رحمت میں حاضر ہیں، خاص لطف وکرم کا معاملہ فرما، جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرما، تو بڑا رحیم ہے، بڑا کریم ہے، آمین یارب العالمین وصلی اللہ علی النبی الامین وآلہ وصحبہ اجمعین۔

❀ ❀ ❀

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ

(۱۹۴۲-۲۰۲۱ء)

یادوں کے نقوش

بہ قلم: مولانا اشتیاق احمد قاسمی
دارالعلوم دیوبند

گرامی قدر استاذ محترم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ سے کسبِ فیض کا موقع قسامِ ازل نے میرے لیے مقدر فرما رکھا تھا، دارالعلوم دیوبند کی پرشکوہ درس گاہ میں حضرت سے ''موطا امام مالکؒ'' پڑھنے کا حسین موقع ملا، درس کیا ہوتا تھا؟ بس معلومات کا خزانہ، تحقیقات کا مرقع، احادیث کے متن پر بھی کلام ہوتا، سندوں کی چھان بین ہوتی، رجال پر سیر حاصل گفتگو فرماتے، مسائل کا استنباط فقیہ بے مثال کی طرح کرتے، احناف کے دلائل اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کا تشفی بخش جواب دیتے، درس گاہ میں شخصیت کی عبقریت کا ہر طالب علم معترف ہوئے بغیر نہیں رہتا، میرے لیے عقیدت ومناسبت کی ایک وجہ حضرت کا ''اعظمی'' ہونا بھی تھی، اس خطے کا احسان مجھ پر ہے، مدرسہ قاسم العلوم منگراواں، اعظم گڑھ میں ناچیز نے تین سال تک علم حاصل کیا ہے، یہ وہی مدرسہ ہے جہاں حضرت نے بھی فراغت کے بعد چند دنوں پڑھایا تھا اور علم دین کا جام بھر بھر کر لٹایا تھا؛ چنانچہ کبھی کبھی خدمت میں حاضری ہونے لگی اور جب افتاء اور تدریب افتاء کے شعبہ میں داخل ہوا اور دیواری پرچوں کے چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنے کے بعد قدرے طویل مضمون اور مقالہ لکھنے لگا، تو کبھی کبھی کچھ لکھ کر خدمت میں پیش کرتا تو بہت خوش ہوتے، ماہ نامہ دارالعلوم میں مضمون شائع فرما کر حوصلہ افزائی فرماتے، فرماتے تھے کہ میں طلبہ کے مضامین کو بھی ماہ نامہ میں شامل اِشاعت کرتا ہوں، اس کی وجہ طلبہ کی حوصلہ افزائی ہے، اس سے قلم کار مہمیز پاتا ہے، اس میدان میں حوصلے کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں!

مجھے نہیں لگتا تھا کہ اس معمولی بیماری میں وفات ہوجائے گی؛ اس لیے کہ وفات سے چار دن پہلے بات ہوئی تھی، فرمارہے تھے کہ بخار ہوگیا تھا، اب الحمدللہ بخار نہیں ہے، بالکل ٹھیک ہوں؛ البتہ کمزوری باقی ہے، میں نے کہا: حضرت! اس بخار میں اکثر لوگوں کو کمزوری ہوہی جاتی ہے، ان شاء اللہ ٹھیک ہوجائیں گے! ہم لوگ آپ کی صحت وسلامتی اور درازیِ حیات کی دعائیں کرتے ہیں! اس پر خوش ہوئے اور بات پوری ہوئی؛ وہی آخری گفتگو ثابت ہوئی، چوں کہ اکابر اساتذۂ دارالعلوم میں حضرت مولانا صحت مند تھے، روزانہ صبح کو چہل قدمی کرتے، زیتون کا تیل، شہد اور دیگر مقویات کا اہتمام کرتے تھے، چاق وچوبند رہتے تھے، اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ طاقت وقوت رکھتے تھے؛ لیکن موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں، جب موت آتی ہے تو ایک لمحہ آگے یا ایک لمحہ پیچھے نہیں ہوتی، خدائی فیصلہ اٹل ہے اور اس پر ہمارا ایمان بھی! ہاں! یہ بات بڑی اچھی سنی گئی کہ اخیر تک ہوش وحواس بالکل بحال تھے، روح پرواز ہونے سے عین قبل بھی اچھی طرح گفتگو کی، کچھ ضروری وصیتیں بھی کیں اور علم حدیث شریف کی برکت کہ موت کا خوف وہراس بالکل نہیں تھا، گویا مالکِ حقیقی سے ملنے کا وقت جب آگیا تو چل پڑے، کلمہ کے ساتھ، تسبیحات واستغفار کے ساتھ، یقیناً غیب سے صدا آئی ہوگی: یا أیتها النفس المطمئنة ارجعي إلى ربك راضيةً مرضية فادخلي في عبادي وادخلي جنتي!

خندہ پیشانی وسرخ ہونٹوں سے مسکراہٹ

جب بھی خدمت میں حاضری ہوئی، بڑی خندہ پیشانی سے ملے، اگر کوئی علمی بات پوچھی، اپنے خلجان کو پیش کیا تو اس کو بتایا اور رہنمائی فرمائی، یہ منظر بہت یاد آتا ہے اور رونا آنے لگتا ہے۔

حوصلہ افزائی

(الف) جب بھی کچھ لکھ کر پیش کرتا، خوش ہوجاتے اور مختلف موقعوں کی تحریریں مثلاً جمعیت علمائے ہند کی تجاویز، تعزیت وغیرہ تیار کرنے کا حکم فرماتے، اپنا لکھا ہوا مسودہ تصحیح کے علاوہ طالب علمانہ شبہات پیش کرنے کے لیے عنایت فرماتے!

(ب) کتابوں پر تبصرہ اور تعارف لکھنے کا موقع دیتے خود اپنی کتاب بھی دیتے کہ اس پر تبصرہ کرکے لے آؤ اور دوسرے اہلِ قلم کی نگارشات پر بھی خامہ فرسائی کا حکم فرماتے، ایک بار ارشاد فرمایا کہ بے لاگ تبصرہ اپنے حلقوں میں لوگوں کو پسند نہیں آتا، لوگ ثناخوانی اور مدح سرائی کے خواہاں ہوتے ہیں؛ اس لیے ماہ نامہ میں ''تبصرے'' کا عنوان بدل دینا چاہیے، پھر فرمایا: ماہ نامہ ''معارف'' اعظم گڑھ میں بھی یہ مشکل پیش آئی تھی تو انھوں نے تبصرہ کے بجائے ''تعارفِ کتبِ جدیدہ'' کا عنوان

بنایا تھا، میری رائے میں یہی عنوان ماہ نامہ میں بھی رکھنا چاہیے تو میں نے عرض کیا: حضرت! یہ فارسی ترکیب ہے اردو میں مضاف محذوف مان کر ''نئی کتابیں'' کا عنوان کیسا رہے گا؟ فرمایا: ٹھیک ہے، اگلے شمارے میں یہی عنوان لگاؤ!

(ج) دارالعلوم میں میرے تقرر سے بہت خوش تھے، چند دنوں کے بعد ہی ''پروف ریڈنگ'' کا کام سپرد فرمادیا، پھر مضامین میں حذف واضافے کی اجازت بھی دی اور بعض مضامین کو شامل کرنے اور نہ کرنے میں میری مدلل رائے کو شرفِ قبول عطا فرمایا۔ اخیر میں ''اداریہ نگاری'' کا حسین موقع بھی عنایت فرمایا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

(د) جب دارالعلوم حیدرآباد میں جلالین شریف کا سبق مجھ سے متعلق ہوا تو بہت خوش ہوئے، بقرعید کے موقع سے دیوبند آکر خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں جلالین شریف زمانے تک پڑھائی ہے؛ اس لیے کچھ مفید مشورے عنایت فرمائیے؛ تاکہ میں بھی کامیاب مدرس ہوجاؤں، تو آپ نے حواشی جمل اور صاوی کے علاوہ چند عربی اور اکابر کی تفسیروں کے مطالعے کا مشورہ دیا، جس سے میرا فائدہ ہوا، مسلسل چھ سال جلالین پڑھانے کا موقع ملا اور کافی حدتک تفسیری کتابوں سے مناسبت ہوگئی، الحمدللہ علی ذلک۔

جنگ شاملی کے سلسلے میں خلجان اوراس کا جواب

''پی ایچ، ڈی'' کا مقالہ لکھ رہا تھا، ''تذکرۃ الرشید'' کا تجزیہ کرتے وقت ایک جگہ پھنس گیا، ''جنگ شاملی'' کے سلسلے میں حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ ایک ''اتفاقی مڈبھیڑ'' تھی، باضابطہ جنگ نہیں تھی؛ حالاں کہ اس سے پہلے شاملی کی جنگ کو باضابطہ جنگ ہی سمجھتا تھا، اکابر بزرگوں سے دسیوں بار اس کی تفصیل سن چکا تھا، متعدد کتابوں میں اس کی تفصیل دیکھی تھی؛ مگر ''تذکرۃ الرشید'' کے اس مقام پر آکر تائید یا تردید کی مضبوط دلیل تلاش کررہا تھا؛ کہیں اس کا جواب تشفی بخش نہیں ملا، تو اپنے معمول کے مطابق تاریخی چیزوں کے لیے حضرت مولانا کے پاس پہنچا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ نے ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' میں اس پر بحث کی ہے، اس کو دیکھو! اور میں بھی مطالعہ کرتا ہوں، کچھ ملے گا تو بتاؤں گا؛ چنانچہ حسبِ ارشاد کتاب دیکھی تو انھوں نے اس کو موضوع بناکر تفصیل سے اس موقف کی تردید کی تھی اور لکھا تھا کہ شاملی کی جنگ باضابطہ تھی؛ مگر ''تذکرۃ الرشید'' کی تصنیف کا زمانہ انگریزی حکومت کے تسلط اور دبدبہ کا تھا، حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ نے اس وقت کے حالات کے لحاظ سے مجاملت سے کام

لیا ہے اور بات کو کھول کر نہیں لکھی ہے؛ اس لیے کہ ان کو اس وقت انگریزوں سے اذیت پہنچ چکی تھی، ''چھاپہ خانہ'' مظالم کا شکار ہو چکا تھا، جب اس کو پڑھا تو طبیعت مطمئن ہوئی اور اسی کے حوالے سے اپنے مقالے میں اس کی تاویل درج کر دی، پھر خدمت میں پہنچ کر شکریہ ادا کیا۔

تاریخ پر گہری نظر

حضرت مولانا کو تاریخ پر گہری نظر تھی، بابری مسجد کی تاریخ اور اعظم گڑھ کے علماء کی تاریخ پر ضخیم کتاب تصنیف فرمائی تھی، متعدد بار حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد پالن پوریؒ نے تاریخ کے سلسلے میں حضرت سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا، اس سے شخصیت کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

زبان و بیان کی عمدگی

حضرت مولانا کی زبان بڑی شستہ اور شگفتہ تھی، جملے نہایت ہی عمدہ، محاورات کی برجستگی، استعارات کی عمدگی، برمحل اشعار کی چاشنی سے مضمون بہت اونچا ہو جاتا تھا، اردو کی طرح فارسی کے اشعار سے بھی خوب استشہاد فرماتے تھے۔ پڑھنے والا اس سے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

حضرت مولانا اور حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کے درمیان معاصرانہ چشمک خوب تھی، میرا تعلق دونوں حضرات سے تھا، میں اپنے کام سے کام رکھتا تھا، کسی مجلس میں کسی کے خلاف زبان درازی نہیں کرتا۔ حضرت مفتی صاحب تو کسی موافق یا مخالف کے بارے میں مجلس میں کچھ بولتے ہی نہ تھے؛ لیکن ایک بار جب ''تعزیتی اجلاس'' کی کراہت اور عدم کراہت یا بدعت اور عدم بدعت پر بحث چل پڑی تو حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا:

دیکھو! مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کا رسالہ چھپا ہے، ماشاء اللہ زبان و بیان بہت عمدہ ہے۔ برجستہ اشعار اور محاورات کی عمدگی اور امثال و تشبیہات کی نفاست متاثر کن ہے، موضوع اور مواد سے متفق ہونا اور نہ ہونا الگ بات ہے؛ مگر موصوف کی زبان اتنی اچھی ہے کہ یہ شخص گالی بھی دے تو اچھی لگے۔

ہر حساس موقع پر خامہ فرسائی

''مقالات حبیب'' اور ''ماہ نامہ دارالعلوم'' کا اداریہ پڑھنے والا ہر قاری اس بات کی گواہی دے گا کہ حضرت استاذ محترم ہر موقع پر حالات کے لحاظ سے عمدہ اداریہ اور مضمون و مقالہ تحریر فرماتے تھے، حکومت کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، عالمی مسائل پر بھی برجستہ کھل کر لکھنے کے عادی تھے۔

میرا تعلق

میں حضرت سے تعلق رکھتا تھا، اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے، لکھنے پڑھنے کا ذوق پانے کے لیے؛ کیوں کہ دارالعلوم دیوبند میں چار پانچ اساتذہ کو دیکھتا تھا کہ ان کو کتاب کے علاوہ کسی کام سے دلچسپی نہیں ہے، ان میں حضرت سرفہرست تھے، حضرت مفتی صاحبؒ، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب، مفتی محمد امین صاحب اور حضرت مولانا نور عالم خلیل امینیؒ ان سب سے متاثر رہا اور اپنی پیاس بجھانے کے لیے ان کے پاس جایا کرتا تھا؛ جب حضرت الاستاذ پالن پوریؒ سے مولانا کا علمی اختلاف زوروں پر تھا تو اس وقت سیاسی نقطۂ نظر سے سوچنے والے طلبہ اور اساتذہ کو حیرت تھی کہ عجیب آدمی ہے، دونوں کے درمیان قدرے مشترک بنا ہوا ہے؛ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی اختلافات سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی، دونوں حضرات سے اختلافی موضوع سے ہٹ کر ہی باتیں کرتا اور اپنے مقصد میں لگا رہتا اور طالب علم کو ہمیشہ طالب علم ہی رہنا چاہیے، دوسرے موضوعات سے دلچسپی نہیں رکھنی چاہیے۔

حیدرآباد جانے کی تیاری پھر سفر کا التوا

دارالعلوم حیدرآباد کے ناظم ومعتمد جناب رحیم الدین انصاری مدظلہ کا فون آیا کہ سالانہ اجلاس اور ختم بخاری شریف کے لیے اکابر اساتذہ میں سے کسی شخصیت کو دعوت دو! میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا: میں اکیلا نہیں جاؤں گا، اگر تم ساتھ رہوگے تو ہامی بھردو، میں نے کہا: ٹھیک ہے، میں خادمانہ حیثیت سے ساتھ رہوں گا؛ چنانچہ ٹکٹ بن گیا؛ مگر مارچ کے آخری عشرے میں کرونا وائرس (کوڈ ۱۹) کی وجہ سے پورے ملک میں لاک ڈاؤن لگ گیا اور سفر ملتوی کرنا پڑا اور کیا پتہ دنیا کا سفر اسی لیے ملتوی ہورہا ہے کہ آخرت کے سفر کی تیاری ہے، اللہ تعالیٰ استاذ محترم کی بال بال مغفرت فرمائیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں اور ان کے نقش پر چلنے کی توفیق بخشیں!

آمین یارب العالمین

محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمیؒ

از: مولانا عبیداللہ شمیم قاسمی

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قرب قیامت علم کو اٹھالیا جائے گا؛ لیکن اللہ تعالیٰ علم کو یکبارگی نہیں اٹھائے گا؛ بلکہ جو اہل علم ہیں اللہ تعالیٰ انھیں اٹھالے گا اور جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا مقتدا و پیشوا بنالیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے جو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، بخاری شریف کی روایت ہے: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن اللّٰہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد، ولکن یقبض بقبض العلماء، حتی إذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤوسا جہالا، فأفتوا بغیر علم فضلوا واضلوا"(صحیح البخاری، باب کیف یقبض العلم، حدیث نمبر: ۱۰۰)

اس حدیث کا آج کل کثرت سے ظہور ہورہا ہے، گذشتہ دو سال کے عرصہ میں جس کثرت سے بڑے بڑے علماء اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب قیامت بالکل قریب ہے۔

جو بھی جارہا ہے اس کا کوئی بدل بھی نظر نہیں آتا، ابھی گذشتہ سال ۲۵/رمضان المبارک دارالعلوم دیوبند کے صدرالمدرسین حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری رحمہ اللہ انتقال ہوا، اور چند روز پہلے حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا اور آج ۳۰/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳/مئی ۲۰۲۱ء اچانک حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمیؒ جنہیں ابھی تک ''دامت برکاتہم'' کہا کرتے تھے؛ مگر اب انھیں ''رحمہ اللہ'' لکھنا پڑ رہا ہے، رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں مختصر عرصہ بیمار رہنے کے بعد ۳۰/رمضان المبارک (متحدہ عرب امارات میں عید کا دن) مطابق ۱۳/مئی ۲۰۲۱ء کو ظہر کے وقت خالق حقیقی سے جاملے، اور اپنے آبائی وطن جگدیش پور اعظم گڑھ میں بعد نماز عشاء آپ کے پوتے مولانا محمد عفان قاسمی کی اقتدا میں ایک کثیر تعداد نے نماز جنازہ پڑھ کر

اس گنجینۂ علم کو ہمیشہ کے لیے سپرد خاک کردیا۔

ان میں سے ہر ایک ایسا عالم تھا جس کا کوئی بدل بھی نظر نہیں آتا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی چندروز پہلے بیمار ہوئے تھے، بخار کی شدت تھی اور اس کے بعد پھیپھڑوں میں انفیکشن کی شکایت تھی جس کی وجہ سے کچھ دن گھر پر علاج جاری رہا، پھر ڈاکٹروں کے مشورے سے دو تین روز قبل ہاسپٹل میں داخل کیا گیا، جہاں آپ نے زندگی کی آخری سانس لی۔

اس سے پہلے حضرت مولانا اس طرح کبھی بیمار نہیں ہوتے تھے اور اگر کبھی بیمار بھی ہوتے تھے تو دل کو یک گونہ اطمینان رہتا تھا کہ ان شاء اللہ ٹھیک ہوجائیں گے؛ مگر جب وقت موعود آجاتا ہے تو اس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہوسکتی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”فإذا جاء أجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون“.

جب سے حضرت مولانا کے انتقال کی خبر پہنچی ہے بہت کوشش کررہا ہوں کہ دو چار سطریں کچھ لکھوں؛ مگر قلم ساتھ نہیں دے رہا ہے، دل مغموم ہے، آنکھیں نم ہیں، بہت ضبط اور کوشش کے بعد چند سطریں لکھنے کی کوشش کررہا ہوں۔

حضرت مولانا ان نابغہ روزگار شخصیات میں سے تھے جنہوں نے کتاب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا، کثرت مطالعہ کی وجہ سے متعدد علوم میں مہارت پیدا کرلی تھی؛ مگر خاص طور پر علم حدیث اور فن اسماء رجال میں آپ کو یدطولی حاصل تھا۔ آپ ایک عظیم مؤرخ بھی تھے، تاریخ پر گہری نظر تھی، آپ کی کتابیں اس فن میں آپ کی مہارت کا منھ بولتا ثبوت ہیں۔

موجودہ وقت میں آپ کو طلبہ دارالعلوم دیوبند میں سب سے زیادہ مقبولیت تھی، وجہ یہ تھی آپ کا درس جب شروع ہوتا تو اس میں علم کے موتی بکھیرتے اور جب رجال پر بحث شروع فرمادیتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے علم کا دریا بہہ رہا ہو۔ درس میں گہرائی وگیرائی بہت تھی، جو بھی کتاب آپ پڑھاتے اس کا حق ادا کردیتے۔

دارالعلوم دیوبند میں تقریباً ۴۰ سال آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، اس عرصہ میں ہزارہا طالبان علوم نبوت کو آپ کے علوم سے سیراب ہونے کا موقع ملا۔

اللہ رب العزت نے حضرت مولانا کو محبوبیت عطا فرمائی تھی، ہمیں حضرت مولانا سے ۲۳-۱۴۲۲ھ میں ابوداؤد شریف جلد اول پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اللہ تعالی نے حضرت مولانا کو بہت سی خصوصیات سے نوازا تھا، تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا بہت صاف ستھرا ذوق عطا فرمایا تھا، آپ کے اندر افہام وتفہیم کا ملکہ قدرت نے ودیعت فرمایا تھا، اسی وجہ سے آپ کے درس کے ساتھ ساتھ آپ کی کتابیں بھی بہت مقبول تھیں، آپ کا نورانی چہرہ، آپ کے درس کا انداز، آپ کا علمی رعب ودبدبہ اسی کے ساتھ متانت وسنجیدگی، آپ کا رہن سہن یہ سب باتیں بہت یاد آرہی ہیں؛ مگر اس وقت کچھ بھی لکھنا مشکل ہورہا ہے۔

حضرت مولانا کا نام بچپن ہی میں سن رکھا تھا،۱۹۹۲ء میں جب میرے بڑے بھائی دارالعلوم دیوبند داخلے کے لیے گئے تو والد صاحب اس سے پہلے حضرت مولانا کے دولت خانہ پر حاضر ہوکر بتلایا کہ آئندہ سال یہ دیوبند جارہے ہیں۔اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ماہنامہ دارالعلوم دیوبند پر آپ کا نام ایڈیٹر کی جگہ لکھا تھا اور بہت سے مضامین بھی پڑھنے کی نوبت آئی۔

مگر آپ کا دیدار اس وقت ہوا جب ۲۰۰۱ء میں عربی ہفتم میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کا موقع ملا۔

اس سال ہمارا کوئی بھی سبق حضرت مولانا کے یہاں نہیں تھا کیونکہ آپ ہفتم ثالثہ میں پڑھاتے تھے اور میں ہفتم ثانیہ میں تھا۔اگلے سال دورۂ حدیث میں ابوداؤد شریف پڑھنے کی سعادت ملی۔

آپ کی مجلس میں کبھی کبھی حاضری ہوتی تھی؛ مگر کوئی خاص تعارف نہیں تھا۔اس کے دوسال بعد جب ''تخصص فی الحدیث'' میں داخلہ ہوا تو ایک مرتبہ پھر آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی سعادت ملی،امام سیوطی کی مشہور کتاب ''تدریب الراوی'' آپ سے متعلق تھی۔

۲۰۰۷ء کے بعد سے میرا کثرت سے دیوبند جانا ہوتا تھا تو آپ کی خدمت میں بھی حاضری ہو جاتی تھی،اس وقت آپ اچھی طرح پہچان گئے تھے کہ یہ حضرت مولانا عبدالحق اعظمی نوراللہ مرقدہ کے داماد ہیں۔

پھر تو ہر حاضری کے موقع پر کوئی نئی کتاب آئی ہو یا نادر کتاب ہو تو اس کے بارے میں حضرت دریافت فرماتے کہ دیکھو یہ کتاب اگر ملے تو لے لینا،اسی طرح ایک موقع پر فرمایا کہ علامہ کتانی کی کتاب ''التراتیب الاداریہ'' یہ بہت اچھی کتاب ہے اور لائق مطالعہ ہے اسے تلاش کرو، میں نے نیٹ سے نکال کر پوری کتاب آپ کو دی تو بہت خوش ہوئے اور فوٹو کاپی کی قیمت عنایت فرمائی، کتابوں کے حصول کے لیے آپ ہمیشہ کوشاں رہتے کوئی بھی نئی کتاب آتی تو اسے ضرور منگواتے اور اس کی قیمت ادا کرتے۔

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ سے علامہ عابد سندھی کی کتاب "المواهب اللطيفه شرح مسند الامام أبي حنيفه" سات جلدوں میں شائع ہوئی ہے تو فرمایا کہ کتاب لے لینا میں اس کی قیمت ادا کردوں گا، اتفاق سے کتاب آپ تک نہیں پہنچا سکا تو مولانا عبدالبر صاحب سے کہا کہ عبیداللہ کتاب لانے والا تھا، ابھی تک لایا نہیں، جب مجھے اطلاع ملی تو اگلے روز فجر کی نماز کے وقت جامعہ اسلامیہ سے کتاب لے کر جگدیش پور حاضر ہوا، اسی دن آپ کا سفر تھا۔ اس وقت آپ کی خوشی دیدنی تھی کتاب کو فوراً کھولا اور کہا کہ احناف کی کتاب عالم عرب سے چھپ گئی یہ بڑی خدمت ہے۔

حضرت مولانا کو کثرت مطالعہ کی وجہ سے بہت سے علوم مستحضر تھے، کتابوں کے مطالعہ کے سلسلے میں بہترین رہنمائی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ امام ذہبی کی کتاب ''زغل العلم'' اچھی کتاب ہے اس میں علوم کا تعارف کرایا ہے اس کا مطالعہ کرو۔

اسی طرح ایک مرتبہ دریافت کرنے پر فرمایا کہ امام راغب اصفہانی کی کتاب "الذريعه إلى مكارم الشريعه" بہت اچھی کتاب ہے اس کا مطالعہ کرو۔

کبھی کبھی دیوبند حاضری کے موقع پر پوچھتا کہ حضرت آج کل کونسا کام چل رہا ہے تو اس کی تفصیل بتلاتے، ایک مرتبہ فرمایا کہ تفسیر مظہری پر کچھ کام کررہا ہوں اگر وہ ہوگیا تو بڑا کام ہوگا، معلوم نہیں وہ کام ہوا یا نہیں۔

ایک مرتبہ دیوبند حاضری کے موقع پر تفسیر سے متعلق آپ کے ایک مضمون کے بارے میں میں نے بتلایا کہ اس کا مطالعہ کیا ہوں تو پوچھا کہ کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت آپ کا نام ہی کافی ہے۔

ایک مرتبہ دیوبند حاضری کے موقع پر بتلایا کہ سرسید کے نظریات جو حدیث کے متعلق ہیں، اس پر لکھ رہا ہوں، بعد میں وہ مضمون کتابی شکل میں دارالعلوم دیوبند کی طرف سے شائع بھی ہوا۔

حضرت مولانا بہت سی خصوصیات کے حامل تھے ان کی جملہ خصوصیات کو بیان کیا جانا مشکل ہے۔ آپ کی وفات سے جو علمی، ملی اور جماعتی خلا ہوا ہے اس کا پر ہونا بظاہر مشکل ہے۔

عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو شخصیت جس درجہ کی ہوتی ہے اس کے اثرات بھی اسی درجے کے ہوتے ہیں، زندگی میں روشن کارناموں کے ذریعے معاشرہ پر قد آور شخصیات جس طرح اپنا خوشگوار اثر مرتب کرتی ہیں اسی طرح اپنی رحلت سے بھی ملک وملت کو رنج وغم کے المناک احساس سے دوچار کرتی ہیں۔

حضرت مولانا اعظم گڑھ کے مردم خیز قصبہ پھول پور کے پاس جگدیش پور کے رہنے والے تھے، اس گاؤں کی خوش قسمتی کہ یہاں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے، دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق اعظمی نور اللہ مرقدہ، مولانا افتخار احمد قاسمی اور حضرت قاری ابوالحسن دامت برکاتہم اسی گاؤں کے رہنے والے ہیں، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ کا کثرت سے اس طرف سے گزر رہوتا تھا؛ اس لیے جگدیش پور بھی حاضر ہوتے، اور اسی کے اثر سے دینداری کا مزاج بھی پایا جاتا ہے۔

آپ کی پیدائش ۱۹۴۲ء /۱۳۶۲ھ میں ہوئی، مختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۴۵ء / ۱۳۶۵ھ لکھا ہوا ہے۔ آپ کے والد صاحب کا نام حافظ انوارالحقؒ تھا۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب مدرسہ امدادالعلوم میں حاصل کی، پرائمری کی تعلیم کے بعد آپ کے والد صاحب آگے تعلیم موقوف کرانا چاہتے تھے؛ مگر اس موقع پر آپ کے مشفق استاذ حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ نے آپ کے والد کو آگے کی تعلیم کے لیے راضی کیا اور خود جاکر مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں داخلہ کرایا، جہاں آپ نے عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، آپ کو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ سے شرف تلمذ تھا، آپ نے حضرت سے فارسی کی مشہور کتاب گلستاں روضۃ العلوم جگدیش پور میں پڑھی تھی۔

ابتدائی عربی تعلیم کے بعد آپ مدرسہ مطلع العلوم بنارس چلے گئے اور حضرت مولانا عبدالحق اعظمی نور اللہ مرقدہ سے درس نظامی کی اکثر کتابیں پڑھیں اور ساتھ ساتھ اپنے استاذ کی خدمت بھی کرتے تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق اعظمی نور اللہ مرقدہ آپ کے مشفق اساتذہ میں سے تھے، عام طور پر اس کا احساس نہیں ہوتا تھا؛ مگر جب شیخ صاحب کے انتقال کے بعد دارالعلوم دیوبند کی دارالحدیث میں تعزیتی جلسہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت مجھے بہت صدمہ ہے اور کچھ نہیں کہہ سکتا، بس اتنا کہوں گا کہ آج جو کچھ میں ہوں، وہ مولانا مرحوم کی وجہ سے ہوں اور فرمایا کہ پرائمری کی تعلیم کے بعد والد صاحب کا آگے پڑھانے کا ارادہ نہیں تھا؛ مگر حضرت شیخ نے والد صاحب کو آگے کی تعلیم کے لیے راضی کیا۔ مطلع العلوم کے زمانے میں شیخ صاحب کا پیٹ کا آپریشن ہوا، جس میں تقریبا پچیس روز تک اسپتال میں رہنا پڑا، اس زمانے میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ شرح جامی وغیرہ پڑھتے تھے، آپ نے بیس بائیس روز تک شیخ صاحب کی بہت خدمت کی،

حضرت شیخ نے اپنی خودنوشت سوانح میں تحریر فرمایا ہے: ''عزیزی مولوی حبیب الرحمٰن سلّمہٗ نے پوری خدمت کی''۔

مطلع العلوم بنارس کے بعد آپ دارالعلوم مئو گئے اور پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں فارغ ہوئے، آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا فخرالدین مرادآبادی، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی اور حضرت مولانا اسلام الحق اعظمی کوپاگنجی وغیرہ تھے۔

فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ ''قاسم العلوم'' منگراواں اور جامعہ اسلامیہ بنارس میں تدریسی خدمات انجام دیں، کچھ عرصہ مدرسہ روضۃ العلوم پھول پور کے شعبۂ دعوت وتبلیغ سے بھی منسلک رہے۔

۱۹۸۰ء میں فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی دعوت پر دیوبند گئے اور موتمر فضلائے دارالعلوم دیوبند کی طرف سے ماہنامہ ''القاسم'' کی ادارت سنبھالی۔

اس کے بعد ۱۹۸۲ء /۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم دیوبند تدریس سے منسلک ہوئے، ۱۴۰۵ھ سے ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کی ادارت آپ کو سپرد کی گئی اور ایک لمبے عرصہ تک اس خدمت کو انجام دیا، ۱۴۱۴ھ میں آپ کی ترقی ہوئی اور درجۂ علیا کے استاذ ہوئے، دارالعلوم دیوبند آپ کی مدت تدریس تقریبا چالیس سال ہے، اس عرصہ میں مختلف کتابوں کا آپ نے درس دیا، اخیر میں مسلم شریف اور مشکاۃ المصابیح آپ سے متعلق تھی۔

درس کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف وتالیف بھی کرتے تھے، آپ کی کتابیں مقبول تھیں، لیکن کچھ کتابوں نے آپ کو شہرتِ دوام بخش دیا، جن میں ''تذکرہ علماء اعظم گڑھ'' اور ''اجودھیا کے اسلامی آثار'' شامل ہیں، آپ کے مختلف مضامین کا مجموعہ ''مقالاتِ حبیب'' کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ آپ تیس سے زائد کتابوں کے مصنف تھے۔

حضرت مولانا معمولات کے بہت پابند تھے، آپ رات کو جلدی سو جاتے اور صبح صادق سے پہلے اٹھ کر تہجد، ذکر وتلاوت سے فارغ ہوکر مطالعہ میں مشغول ہوجاتے، آپ کا اصلاحی تعلق اولا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوراللہ مرقدہ سے تھا، ان کی وفات کے بعد حضرت فدائے ملت مولانا اسعد مدنی رحمہ اللہ سے متعلق ہوئے، حضرت مولانا محمود سہارن پوری خلیفہ حضرت شیخ الاسلام حضرت مدنی نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔

حضرت مولانا جلسہ وغیرہ میں نہیں جاتے تھے؛ مگر چونکہ جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ کے ممبر

تھے؛ اس لیے اس کی میٹنگ میں شرکت کرتے اور اور آپ کی رائے کو اہمیت دی جاتی، مولانا اسعد مدنی صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم بھی آپ کی رائے کو اسی طرح اہمیت دیتے۔

مدرسہ بیت العلوم سرائے میر چونکہ آپ کا مادر علمی تھا؛ اس لیے وہاں کے جلسوں میں شریک ہوتے، ایک مرتبہ ۲۰۰۶ء میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے جمعیت کے جلسے میں بہت ہی مفصل تقریر فرمائی اور جمعیت کی پوری تاریخ بیان کی۔

حضرت مولانا کی صحت عمر کے اعتبار سے اچھی تھی، بظاہر کوئی بیماری نہیں تھی، کچھ دنوں پہلے دارالعلوم دیوبند سے وطن تشریف لائے تھے اور رمضان المبارک کے مہینہ میں آپ کو بخار آیا اور اس کے بعد افاقہ بھی ہوا؛ مگر پھیپھڑوں میں انفیکشن کی شکایت تھی جس کے بعد اسپتال میں داخل کیا گیا اور آپ نے رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کے آخری دن اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔

آپ نے اپنے پیچھے ہزاروں تلامذہ کو چھوڑا ہے جو آپ کے لیے بہترین صدقہ جاریہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور دارالعلوم دیوبند کو آپ کا بدل عطا فرمائے اور آپ کے لواحقین و پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

❁ ❁ ❁

محقق اور دیدہ ور عالم دین

استاذ محترم مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ

استاذ حدیث وسابق مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

از: مولانا محمد اجمل قاسمی
استاذ تفسیر وادب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

آدم خور عالمی وبا کرونا کی جنونی آندھیوں نے زندگی کے بے شمار چراغ گل کردیے، کوئی طبقہ نہیں جو اس ہلاکت خیز طوفان کی زد سے بری طرح متاثر نہ ہوا ہو، بادسموم کی یہ تیز وتند لہریں دارالعلوم دیوبند کی طرف بھی بڑھیں، اور اس کی روح پرور بہاروں کو خزاں میں تبدیل کیے بغیر نہ رہیں؛ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے چوٹی کی کئی محترم اور معزز ہستیاں راہی ملک بقا ہوگئیں، یہ سب کچھ بہت تھوڑے وقفے میں بہت ہی غیر متوقع طور پر ہوا؛ اس لیے ان اکابر کی رحلت سے علمی ودینی حلقوں پر رنج وغم کا جو پہاڑ ٹوٹا وہ ناقابل بیان ہے۔

استاذ محترم حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی استاذ ادب عربی وچیف ایڈیٹر عربی ماہنامہ ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند کی وفات کے صدمے سے طبیعت ابھی نکلنے بھی نہ پائی تھی کہ ۳۰؍رمضان ۱۴۴۲ھ کو استاذ محترم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی استاذ حدیث وسابق مدیر اعلی ماہنامہ دارالعلوم کی رحلت کا حادثہ بھی پیش آگیا، مت پوچھیے کہ دل پر کیا کچھ گذرگئی، بقول شاعر: ''حالتِ دل کہ تھی خراب اور خراب ہوگئی'': إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، ان للّٰہ ما أخذ، ولہ ما أعطی، وکل شیء عندہ باجل مسمی۔

دنیا رہ گزر ہے، آدمی یہاں کا باسی نہیں؛ بلکہ مسافر اور رہ نورد ہے، یہ ایک منزل ہے قافلے جہاں پڑاؤ کرکے آگے بڑھ جاتے ہیں، نہ کوئی رہا ہے نہ رہے گا، بس اللہ سدا قائم اور زندہ ہے اسی کا نام باقی رہے گا، ''کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام''

مولانا کے جس کمال نے سب سے پہلے متاثر کیا

دارالعلوم دیوبند میں بہت سے اساتذۂ کرام سے پڑھنے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا، دل

سب کا ممنون ہے اور سب کے لیے عقیدت واحترام کے جذبات رکھتا ہے؛ مگر کچھ اساتذۂ کرام ایسے تھے کہ ان کے لیے عقیدت واحترام کے جذبات سوا تھے، میرا دل ان کی شخصیت اور ان کے درس سے بے پناہ متاثر تھا، انھیں میں ایک محترم نام حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، شخصیات میں کمال کی جہتیں جدا جدا ہوتی ہیں؛ اس لیے قدرتی طور پر ان سے تاثر کی جہتیں بھی الگ الگ ہوجاتی ہیں، حضرت مولانا اعظمی یوں تو گوناں گوں خصوصیات وکمالات کے مالک تھے؛ مگر سب سے پہلے ان کا جو کمال اس کوتاہ ذہن کے سامنے آیا وہ ان کا بلند پایہ تحقیقی مزاج، علمی رسوخ، نظر کی تہ داری، وسیع متنوع ہمہ گیر اور گہرا مطالعہ تھا، مولانا کی شخصیت کے اس قابل قدر اور قابل تقلید پہلو نے مجھے پہلے دن سے متاثر کیا اور رفتہ رفتہ یہ تاثر گہرا ہی ہوتا گیا۔

مولانا فنا فی العلم تھے

مولانا فنا فی العلم، کتابوں کے عاشق اور مطالعہ کے رسیا تھے، صحت اچھی اور جسمانی قوی مضبوط تھے، طبیعتاً کم آمیز، اور عزلت پسند واقع ہوئے تھے، جلسے جلوس سے کوئی مناسبت نہ تھی، ادھر بیوی بچے بھی ہمیشہ اعظم گڑھ وطن ہی میں رہے؛ اس لیے ہر طرح کے گھریلو بکھیڑوں سے بھی آزاد تھے؛ لہٰذا اب وہ تھے، فراغت کے دن تھے، فرصت کی راتیں تھیں، کتابیں تھیں، مطالعہ تھا، قرطاس وقلم تھے اور صریر خامہ کی دل نواز نغمہ سرائی تھی، یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ اپنے محبوب مشغلے میں لگے رہتے، ایسے ہوتے ہیں علم کے متوالے، اور مطالعے کے تشنہ کام وشیدائی۔

مولانا کے مطالعہ کی اہم خصوصیات

مولانا جس خو بو کے آدمی تھے، طلبہ عام طور پر ان کے پاس جانے سے گھبراتے تھے، پھر میرے جیسے لجیلے شرمیلے اور کسی اقدام سے پہلے دس بار سوچنے والے کے لیے کہاں ممکن تھا کہ حضرت مولانا سے قرب پیدا کرتا، غالباً دو ایک بار ہی عصر بعد حاضری کی سعادت حاصل ہوسکی؛ اس لیے آپ کے مطالعہ کے اوقات، طرز ورفتار اور کیفیت کے بارے میں کچھ عرض کرنا ممکن نہیں؛ البتہ ان کی تدریس وتحریر سے ان کے مطالعہ کی جو خصوصیات سامنے آئیں وہ پیش خدمت ہیں:

(۱) وسعت اور تنوع: مولانا کا مطالعہ متنوع اور ہمہ گیر تھا، وہ درسیات کی تنگنائے محدود ہونے کے بجائے علم کے وسیع تر سمندر کی سیاحت اور غواصی کے خوگر تھے، تفسیر وحدیث وفقہ اور دیگر متداول اسلامی وعربی علوم، تاریخ اسلام، تاریخ فرق اسلامیہ، تاریخ ہند،، ہندستان میں عہد بعہد احیاء وعلم وفکر کی تحریکیں اور وابستہ شخصیات، دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء کے قیام کا پس منظر، ان کے دستور، علماء

دیوبند کا مسلک ومشرب، ان کی متنوع خدمات... یہ اور ان جیسے دوسرے موضوعات ان کے مطالعہ کی جولان گاہ تھے؛ البتہ متون حدیث، رجال حدیث، اصول حدیث، فقہ الحدیث، خلافیات اور منحرف افکار اور مکاتب فکر کے مطالعہ سے ان کو خاص شغف تھا۔ آدمی کی تحریں اس کے مطالعہ کا عکس ہوتی ہیں، استاذ محترم حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی نے مولانا مرحوم کے مجموعہ مقالات ''مقالات حبیب'' پر تقریظ تحریر کرتے ہوئے یہ بات بالکل بجا لکھی ہے:

''حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی کی کتاب ''مقالات حبیب'' میں نے جستہ جستہ دیکھی، اسلامی موضوعات کے تنوع اور جامعیت کے تعلق سے گویا یہ ''دائرۃ المعارف'' اور ''قاموس العلم'' ہے...'' (مقالات حبیب ص:۱۶)

(۲) گیرائی وتہ داری: مولانا کا مطالعہ سرسری اور رواروی والا نہ تھا؛ بلکہ اس میں گہرائی اور تہ داری ہوتی تھی، وہ جس مضمون کو پڑھتے تدبر کے ساتھ پڑھتے، پوری طرح جذب کرتے اور ہر پہلو سے اس پر غور وفکر کرتے، جس کی وجہ سے مضمون پر ان کی گرفت بہت اچھی ہوتی تھی، اللہ نے ذوق مطالعہ کے ساتھ سلامتیِ عقل اور ذکاوت فہم سے بھی نوازا تھا؛ چنانچہ وہ مطالعہ کی کسی گھاٹی کو جب سر کرتے تو ان کا دامن طلب انشراح اور اطمینانِ قلب سوغات سے مالا مال ہوتا تھا، اِن ہی وجوہات کے سبب ان کے علمی موقف میں بڑی پختگی ہوتی تھی، تحریریں اور درسی تقریریں پرمغز ہوتی تھیں، جن نازک اور مزلۃ الاقدام سمجھے جانے والے مسائل سے بڑے بڑے مدعیان علم وآگہی دامن بچاتے ہیں مولانا ایسے خارزاروں میں بے تکلف گھس جاتے اور اپنے قارئین کو فکر ونظر کی سلامتی کے ساتھ باہر لے آتے، یہ دعوی نرا دعوی ہی نہ رہ جائے، لیجیے مولانا کے نامور معاصر محقق عالم دین کی شہادت سنیے، استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مقالاتِ حبیب پر اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں:

''چوتھے باب میں مسائل ودلائل ہیں... یہ سب مسائل معرکۃ الآراء ہیں، ان میں بھانت بھانت کے نظریے پائے جاتے ہیں، مصنف زید مجدہم اس خار دار وادی سے فائز المرام نکل گئے ہیں... صاحب کتاب.... سیال قلم کے مالک ہیں، جب لکھنے پر آتے ہیں تو لکھتے ہی چلے جاتے ہیں، اور پُرمغز لکھتے ہیں،... مولانا کا علم پختہ، ذہن استوار اور معلومات وافر ہیں'' (مقالات حبیب ص:۱۴-۱۵)

بہت سے اہل علم ذہین وفہیم ہوتے ہیں؛ لیکن مطالعہ سے جی چراتے ہیں، ایسے لوگ اپنی گفتگو میں دلائل وشواہد پیش کرنے کے بجائے عقلی گھوڑے دوڑاتے ہیں اور تخمین وظن سے کام لیتے ہیں، اور کچھ لوگ مطالعہ کے خوگر ہوتے ہیں؛ مگر ان کی فہم ناقص اور عقل خام ہوتی ہیں، ایسے لوگ

بھانت بھانت کے نظریات اور شواہد ودلائل پڑھ کر خود تذبذب کا شکار ہوجاتے ہیں اور کسی مسئلے میں کوئی ٹھوس موقف اپنانے سے عاجز ہوتے ہیں، مولانا ان دونوں کمزوریوں سے پاک تھے۔

(۳) ائمہ فن اور امہات الکتب پر نظر: مولانا کے ذوقِ جستجو کا طائر بلند پرواز دوسرے یا تیسرے درجے کے مراجع پر قانع ہونے کے بجائے ہر فن کے اولیں اور بنیادی مراجع پر کمندیں ڈالتا تھا اور متاخرین کی تحقیقات وترجیحات سے گذر کر براہ راست ائمہ فن کی تحقیقات اور علمی آراء سے مستفید ہوتا تھا اور یہ وہ بنیادی شرط ہے جس کے بعد ہی کسی طالب کو فن پر عبور، علم میں رسوخ، اور نظر کی بلندی حاصل ہوتی ہے، اور وہ حقیقی معنی میں کسی تحقیقی کام کا اہل بنتا ہے، مولانا کے دروس میں متاخرین اور ثانوی درجے کے حوالے شاید و باید ہی آتے تھے، وہاں ذکر ہوتا تو ائمہ فن کا، متقدمین اہل علم کا، اور علوم وفنون کی امہات الکتب کا، تحریروں میں بھی یہ چیز آپ کو بکثرت دیکھنے کو ملے گی۔

(۴) کتاب کے بجائے فن کا مطالعہ: مولانا کے دروس سے صاف اندازہ ہوتا تھا کہ وہ زیر تدریس کتاب اور اس کے ضروری متعلقات پر اکتفا کرنے کے بجائے کتاب کے اصل موضوع اور فن کو پڑھنے پر توجہ دیتے تھے، اصول حدیث کی معروف کتاب مقدمہ شیخ الحق اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی شرح نخبۃ الفکر کے سبق میں فن کی دیگر کتاب مقدمہ ابن صلاح وغیرہ کا ذکر بکثرت کرتے، یہاں کے اجمال کی توضیح اور تشنہ گوشوں کی تکمیل میں وہاں کی تفصیل سے کرتے، اصطلاحات کی تعیین وتحدید میں اہل فن کے اختلاف اور فرق کو واضح کرتے، جس کی وجہ سے سبق میں وہ تشفی حاصل ہوتی تھی جو محض حل کتاب سے کبھی حاصل نہ ہوسکتی تھی۔

تفریح کا ایک انداز یہ بھی

مولانا کا دائمی شغل پڑھنا اور لکھنا تھا؛ چنانچہ وہ جب کسی گہرے تحقیقی مطالعے سے تھک جاتے تو سیر وتفریح یا بستر استراحت پر دارز ہونے کے بجائے مطالعہ کا ذائقہ بدل دیتے، اور کوئی ہلکی پھلکی دلچسپ اور فرحت بخش چیز پڑھنا شروع کردیتے، مولانا یوں تو طلبہ کے پروگراموں میں کبھی دیکھے نہیں گئے؛ مگر ایک بار معروف شاعر ڈاکٹر کلیم عاجز تشریف لائے، تو طلبہ نے ان کے استقبال میں پروگرام منعقد کیا، حضرت مولانا بھی مدعو کیے گئے، ذوق وشوق سے تشریف لائے اور دلچسپ خطاب کیا، کہنے لگے نوجوانی کے زمانے میں شبلی کالج اعظم گڑھ میں مشاعرہ تھا جس میں پہلی بار عاجز صاحب کو سننے کا موقع ملا، اس وقت یہ تندرست اور توانا تھے، انھوں نے اپنی عمدہ غزلوں اور منفرد اور پرسوز ترنم سے مشاعرے کو لوٹ لیا، لوگوں نے خوب داد تحسین بلند کی؛ لیکن جو لوگ عاجز صاحب

کی شاعری، اس کے پس منظر سے واقف اور غزل کے پردے میں چھپے ہوئے ان کے درد سے واقف تھے ان کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

پھر فرمایا: ''مجھے شعروشاعری ذوق ہے، اشعار کا ایک ذخیرہ میرے حافظے میں محفوظ ہے، میں جب علمی کتابوں کا مطالعہ کرتے کرتے تھک جاتا ہوں، تو پھر ذائقہ بدلنے کے لیے کسی شاعر کا دیوان اٹھالیتا ہوں، جس سے مطالعہ کا مطالعہ بھی ہوتا ہے اور تفریح کی تفریح''۔

مولانا کی یہ بات میرے لیے نئی تھی، باعث حیرت ہونے کے ساتھ باعث دلچسپی بھی رہی، بعد میں جب کچھ کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا تو معلوم ہوا کہ اس طرح کی علمی تفریح متقدمین اہل علم کے معمول میں شامل رہی ہے؛ چنانچہ علامہ ابن الجوزی نے بے وقوفوں اور سادہ لوحوں کے دلچسپ واقعات پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "اخبار الحمقی والمغفلین" اس کتاب کے سبب تالیف کے بیان میں علامہ موصوف نے تین باتیں تحریر کی ہیں، آخری وجہ بیان کرتے ہوئے جو بات لکھی ہے وہ درج ذیل ہے:

"والثالث: أن يُروِّح الإنسانُ قلبَه بالنظر فی سِيَر هؤلاء المخبوسين حظوظاً يومَ القسمةِ، فإن النفسَ قد تَمَلُّ من الدؤوب فی الجِدِّ، و تَرتَاح إلی بعضِ المباحِ من اللَّهوِ... ومازال العلماء والأفاضل يُعجِبُهم المُلَحُ، ويهُشُّون لها، لأنها تَجُمُّ النفسَ وتُريحُ القلبَ من كَدِّ الفكرِ".(ص:١٤)

''اس کتاب کے لکھنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ انسان جب ایسے لوگوں کے حالات پڑھتا ہے جو قسمت بٹنے کے دن پیچھے رہ گئے تھے، تو ان کے (دلچسپ حالات و واقعات) سے اس کا دل بہلتا ہے، آدمی کی طبیعت کسی ٹھوس اور سنجیدہ مشغلے میں لگے لگے اکتا جاتی ہے اور ایسے میں مباح تفریح سے اسے خوشی ہوتی ہے، علماء وفضلاء کا مزاج رہا ہے کہ وہ لطیفوں اور چٹکلوں کو پسند کرتے رہے ہیں، لطیفوں کے نام پر ان کی طبیعت کھل اٹھتی ہے؛ اس لیے کہ یہ لطیفے ذہن ودماغ کی تکان کے بعد طبیعت کے لیے تفریح کا سامان بن جاتے ہیں جس دل کو فرحت ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب علمی مشاغل سے جی اکتانے لگے تو شعروشاعری اور دل بہلانے والے مضامین کا مطالعہ علماء کے لیے سحر حلال ہوجاتا ہے، اس طرح کے مطالعے سے تفریح کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے فائدہ حاصل ہوتے ہیں، زبان وبیان میں عمدگی پیدا ہوتی ہے، زندگی کے حقائق سے آگہی ہوتی ہے، عبرت ونصیحت کے موتی ملتے ہیں اور تقریر وتحریر میں برمحل دلچسپ قصے

اور واقعات مضمون کی اثر آفرینی میں اضافہ کرتے ہیں؛ البتہ ہر چیز کی اپنی حدود ہیں اور کوئی بھی چیز اپنے دائرے میں ہی اچھی ہوتی ہے۔

تفرد پسندی سے بیزار

حضرت مولانا بحث وتحقیق کے شناور ہونے کے باوجود مسئلہ میں اپنی رائے قائم کرنے سے بچتے تھے، اور تفرد پسندی کے ذوق سے تو بالکل ہی بیزار تھے، کہتے تھے: ''مولوی صاحب! آدمی خواہ کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہوجائے اسے جمہور کے ساتھ ہی رہنا چاہیے، جمہور کی رائے ہی صحیح اور راجح ہوتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اسے جمہور کی تائید حاصل نہ ہوتی'' فرمایا: ''ابن الہمام بہت بڑے آدمی ہیں، بہت سے مسائل میں انھوں نے مذہب حنفی کے مشہور مفتی بہ قول سے اختلاف کیا ہے؛ مگر ایسے جلیل القدر آدمی کے تفردات کے بارے میں بھی ان کے شاگرد علامہ قاسم بن قطلو بغا نے کہا ہے کہ ہمارے شیخ کی جو تحقیقات مذہب کے خلاف ہیں ان پر عمل نہیں کیا جائے گا[1]، مولوی صاحب! جب ابن ہمام جیسے بلند پایہ محقق کے تفرادات ناقابل قبول ٹھہرے تو ہما شما کس شمار میں ہیں؛ اس لیے تفرد اختیار کرنے سے بچنا چاہیے، اور جمہور کے موقف کی نصرت وتائید کرنی چاہیے''۔

مولانا کا یہ ذوق اور ان کی یہ بات مجھے بے حد پسند آئی، ہمارا یہ دور بھی بڑا عجیب ہے، خود رائی اور خود پسندی لوگوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے، آدمی کسی بھی موضوع پر اردو کے اڑھائی تین رسالے پڑھنے کے بعد مسئلہ میں اپنی ایک الگ رائے دینا ضروری سمجھتا ہے۔ جو اس کا اہل ہو اسے اپنی رائے قائم کرنے میں مضائقہ نہیں؛ مگر ہر کس وناکس کا دین وشریعت کے تئیں یہ رویہ جسارت بے جا ہے:

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

تحریری ملکہ اور تحریریں

تحریر، تدریس اور تقریر علم کی نشر واشاعت کے یہ بنیادی تین ذرائع ہیں، جہاں تک تحریر کا تعلق ہے تو مولانا قلم کے بادشاہ تھے، الفاظ شستہ، اسلوب شگفتہ، تعبیر میں ادبی چاشنی، طرز ادا میں سلاست وروانی، جملے چھوٹے چھوٹے، پیراگراف باہم مربوط، عبارت ٹھوس اور پختہ اور تحریر حشو وزوائد سے خالی۔ مولانا نے ہر طرح کے دینی وعلمی اور تاریخی موضوع پر لکھا ہے اور خوب لکھا ہے، زمانے کے حالات پر نظر رکھتے اور وقت کے تقاضے کے مطابق خامہ فرسائی کرتے، مولانا کی ہر تحریر علمی مواد، شواہد ودلائل اور منطقی ترتیب کے اعتبار سے مکمل، نتائج کے اعتبار سے نہایت اطمینان بخش اور ادبی

بانکپن کے اعتبار سے حسن بیان کا شاہ کار ہوتی ہے، مولانا امینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اس ضخیم مجموعۂ مقالات (مقالات حبیب) کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ لعل و گہر کے انتخاب میں خاصا وقت صرف کرتے ہیں اور تحریر کی معنویت اور اس کے مواد اور علمی مشمولات کی باطنی قیمت کے ساتھ ساتھ، اس کی ساختیات، لفظیات، تعبیرات، اور طریقۂ ترسیل پر بھی زور دیتے ہیں''۔ (مقالات حبیب ص:۱۸)

باطل نظریات کا تعاقب اور منحرف افکار کا احتساب مولانا کی قلمی دلچسپی کا خاص موضوع تھا، ایسے موضوعات پر لکھتے ہوئے ان کے فکر کی جولانی، قلم کی روانی اور اسلوب کی شوخی و شگفتگی سوا ہوتی ہے، برموقع اشعار اور جابجا مہذب لطیف طنز سے وہ اپنے حریف کو ایسی کامیاب شہ مات دیتے ہیں کہ قاری عش عش کر اٹھتا ہے۔

اقتباس باعث طوالت ہے، تاہم مولانا کے تحقیقی مقالات کے تشفی بخش نتائج بحث کا ایک نمونہ ملاحظہ کرتے چلیے، مولانا نے صحابہ کے بارے میں ایک نامور محقق کے غیر تحقیقی رویے کا طویل اور عمدہ احتساب کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر متوقع حادثۂ وفات پر صحابہ میں خلافت کے مسئلے کو لے کر جو صورت حال پیدا ہوگئی تھی اور مختلف افراد کی طرف سے جو مختلف آراء اور رویے سامنے آئے تھے اس کو لے کر مستشرقین اسلام اور پیغمبر اسلام کے تئیں صحابۂ کرام کی وفاداری پر سوال کرتے رہے ہیں، محقق موصوف نے بھی یہی طرز اختیار کیا ہے اور بعض صحابہ کی آراء کو لے کر ان پر سنگین الزام عائد کیے ہیں، مولانا نے اپنے تفصیلی مقالے میں محقق موصوف کے خیالات کا بہترین احتساب کیا ہے، اور آخر میں صحابہ کے دفاع میں جو سطریں تحریر کی ہیں وہ نہایت تشفی بخش اور آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں، لکھتے ہیں:

''درحقیقت اس (انتخاب خلیفہ کے) موقع پر نہ کسی کے اندر خاندانی عصبیت کارفرما ہے اور نہ کوئی کسی کو کسی کے خلاف اکسا رہا ہے؛ بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ حضرات صحابہ کے سامنے نبی کریم (ﷺ) کی وفات کے بعد ایک ایسا مسئلہ کھڑا ہوگیا جس پر انھوں نے پہلے سے پورے طور پر غور وفکر نہیں کیا تھا؛ اس لیے اوّل وہلہ میں استحقاق خلافت کے سلسلے میں ان کی رائیں مختلف ہوگئیں، قریش کی وہ شاخ جو عبد مناف سے تعلق رکھتی تھی اس کے دونوں بزرگ یعنی حضرت عباسؓ اور حضرت ابوسفیانؓ کی رائے یہ تھی کہ چونکہ آنحضرت کا نسبی تعلق بنوہاشم سے ہے اور اس وقت بنوہاشم میں اپنے فضائل ومحاسن کے لحاظ سے حضرت علیؓ سب پر فوقیت رکھتے ہیں؛ اس لیے وہی خلافت کے سب سے زیادہ

مستحق ہیں،جس کا اظہار ان دونوں نے حسب موقع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کردیا،اس کے برخلاف حضرات انصار کا ایک طبقہ اپنی نصرت وتائید کے پیش نظر یہ سمجھ رہا تھا کہ مہاجرین کے مقابلہ میں خلافت کے زیادہ حقدار یہی ہیں اپنی اسی رائے کے تحت وہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں اکٹھا ہوئے تھے؛ لیکن بعد میں حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے بیانات سے دلائل منقح ہوکر سب کے سامنے آگئے تو بغیر کسی تردد کے سب نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ رسول تسلیم کرلیا اور مکمل بشاشت قلبی کے ساتھ خلیفۂ وقت کی سمع وطاعت قبول کرلی''۔(مقالات ص:۲۴۲)

مولانا کی تحریروں میں مقالات حبیب کے تینوں مجموعے نہایت شاندار ہیں،ان مقالات کے مطالعہ سے علمی بصیرت پیدا ہوتی ہے،معرکۃ الآرا،مسائل میں تشفی حاصل ہوتی ہے،اس مجموعے کے علاوہ مولانا کی مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی کتابیں ہیں جن کی تعداد تیس سے زائد ہے، چند کے نام یہ ہیں: تذکرہ علمار اعظم گڑھ،شجرہ طیبہ،اجودھیا کے اسلامی آثار، بابری مسجد حقائق اور افسانے، اسلام کا نظام عبادت، اسلام میں تصور امارت، اسلام اور نفقہ مطلقہ، ہندوستان میں امارت شرعیہ کا نظام اور جمعیت علمار ہند کی جدوجہد،متحدہ قومیت علمار اسلام کی نظر میں،خلیفہ مہدی صحیح احادیث کی روشنی میں، طلاق ثلاثہ صحیح ماخذ کی روشنی میں، خواتین اسلام کی بہترین مسجد،امام کے پیچھے مقتدی کی قرات کا حکم، تحقیق مسئلہ رفع یدین، مسائل نماز،امام ابوحنیفہ کا علم حدیث مین مقام ومرتبہ،شرح مقدمہ شیخ عبدالحق دھلوی،شرح نخبۃ الفکر،شیوخ ابی داود فی السنن عربی میں،حرمت مصاہرت، کیا حدیث حجت نہیں،حدیث وسنت پر نقد ونظر وغیرہ، یہ کتابیں اپنے اپنے موضوع پر وقیع اور اہم ہیں۔

مسند تدریس کی آبرو

جہاں تک تعلق تدریس کا ہے تو یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ مولانا مسند تدریس کی آبرو، اس میدان کے کامیاب شہسوار؛ بلکہ بے تاج بادشاہ تھے، ہمیشہ تازہ مطالعہ کرکے پوری تیاری سے آتے، جم کر پڑھاتے اور سبق کا حق ادا کردیتے،۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۱ء میں سال ہفتم میں دارالعلوم میں داخلہ ہوا،ہفتم کی تین ترتیبیں تھیں،میری خواہش تھی کہ ہفتم اولیٰ یا ثانیہ میں نام آئے ؛مگر اس کے برخلاف ثالثہ میں آیا،کسی قدر مایوس ہوا؛مگر جب مولانا کے اسباق شروع ہوئے تو مجھے ثالثہ میں نام آنے سے بے پناہ خوشی ہوئی، یوں تو اسباق میں حاضری کا اہتمام الحمدللہ سبھی گھنٹوں میں تھا؛مگر بعض اساتذہ ایسے تھے جن کے سبق میں کبھی بھی غیر حاضری نہیں ہوئی،مولانا انھیں میں سے ایک تھے۔ مولانا درسگاہ میں تشریف لائے، پہلے کبھی دیدار نہ ہوا تھا،وجیہ شخصیت، دلآویز سراپا، بارعب

وپُرجلال چہرہ، عالمانہ وقار، نشست وبرخاست میں رزانت ومتانت، کپڑے نفیس اورعمدہ، بالوں میں سفیدی؛ مگر جوانوں کی طرح تندرست وتوانا، آواز میں قدرے رعشہ، مگر لہجہ پُرزور۔ مولانا کے سراپا کودیکھ کرہی دل ودماغ نے ایک خوش گوار تاثر قبول کیا، سبق شروع کرنے سے پہلے فرمانے لگے، درس گاہ میں آپ لوگ حاضری کا اہتمام کریں، سبق توجہ سے سنیں، میں دس پندرہ منٹ لیٹ آیا کروں گا، اس سے پہلے ہی آپ کولوگ اپنی اپنی جگہ لے لیں، طلبہ جب دلچسپی لیتے ہیں تو میری طبیعت خوب کھلتی ہے، اس سے آپ کولطف آئے گا اوراگر میرا موڈ خراب کیا گیا تو ایک تو مجھے غصہ بہت سخت آئے گا اور دوسرے ایسی حالت میں چاہ کربھی اچھی طرح پڑھا نہیں سکوں گا۔ الحمدللہ سال خیر سے گذرا اورایک بار کے علاوہ حضرت کبھی غصہ نہیں ہوئے۔

اسباق شروع ہوئے تو علم وتحقیق کا دریا بہہ پڑا، نئے نئے نام کانوں سے ٹکرا کر سماعت کومحظوظ کرنے لگے، ابن صلاح، ابن حجر، ابن حزم، ابن عبدالبر، ابن رجب، ابن ابی حاتم، ابن دقیق العید، مِزّی، ذہبی، قاضی عیاض، شُمُنِّی، تورپشتی، طیبی، بدرالدین عینی، ملاعلی قاری، اوراس کے طرح کے دسیوں بیسیوں نام روزآنہ ہی سبق میں آنے لگے، علامہ ابن عبدالبر کا نام بڑے احترام سے لیتے، ابن حزم کی ظاہریت، لہجے کی سختی اورسیف لسانی کے باوجود ان کے علم وذہانت کے قائل تھے، فن اصول حدیث میں ابن صلاح کے مداح تھے، رجال حدیث سے مولانا کو خاص شغف تھا؛ اس لیے جمال الدین مزی کی تہذیب الکمال کے تذکرے بکثرت آتے، حافظ ذہبی کے نہایت گرویدہ تھے، رجال حدیث سے ان کی غیرمعمولی آگہی اوربصیرت سے متاثر تھے، ایک مرتبہ فرمانے لگے: رجال پر ذہبی کی نظر بڑی عجیب وغریب ہے، ان کے شاگرد تاج الدین سبکی نے فرمایا: ''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رجال حدیث ہمارے شیخ کے سامنے ایک میدان میں کھڑے ہیں، وہ ہرایک کواچھی طرح پہچانتے ہیں، اورایک نہایت باخبر اور واقف کار کی طرح ایک ایک کے بارے میں بتاتے جاتے ہیں''(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی اوران کے تصانیف کے حوالے شاید سب سے زیادہ آتے تھے، حافظ سے بھی والہانہ لگاؤ تھا؛ مگر بعض دفعہ مسکرا کر ان پر تنقید بھی کرتے، ایک بار سبق میں فرمانے لگے: مولوی صاحب! حافظ بہت بڑے آدمی ہیں؛ مگر ان کی وجہ سے حنفیت کو بڑا نقصان پہنچا ہے(۳)

مقدمہ شیخ عبدالحق کتنی آسان کتاب، آدمی پڑھتا جائے سمجھتا جائے، بحث کا کوئی خاص پہلو نہیں نکلتا؛ مگر مولانا تو کتاب کے بجائے فن پڑھانے کے عادی تھے، وہ عمدہ بحثیں کرتے اورنفیس تحقیقات پیش کرتے کہ طبیعت جھوم اٹھتی، مقدمہ کے بعد شرح نخبۃ الفکر پڑھاتے وہاں بھی یہی انداز

ہوتا، پھر اس کے بعد مشکاۃ شروع سے کتاب الصلاۃ کے آخر تک پڑھاتے۔

مشہور معرکۃ الآرا، مسائل زیادہ تر مشکاۃ کے اسی شروع والے حصے میں، مولانا ایسے مسائل پر مفصل کلام فرماتے، فقہاء کے مذاہب بیان ہوتے، ان کے مستدلات پیش کیے جاتے اور ان کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا، دلائل کے درمیان محاکمہ کیا تھا، احناف کے موقف کی گہرائی اور قوت کو از روئے دلائل طشت از بام کیا جاتا، خاص طور پر جن مسائل میں غیر مقلدین نے احناف کے خلاف محاذ کھول رکھے تھے، مولانا ایسے مسائل پر بہت ہی مفصل اور تحقیقی اور تشفی بخش کلام فرماتے، کئی بار گفتگو اتنی لمبی اور طویل الذیل ہوگئی کہ طلبہ کے لیے ان کا سمیٹنا دشوار ہوگیا، قلم تھک گئے، ذہن ضبط سے عاجز آ گئے، مولانا نے طلبہ کی حیرانی محسوس کی اور اضطراب کی وجہ دریافت کی، عرض کیا گیا، حضرت اتنی طویل گفتگو ہم نہ لکھ سکتے ہیں اور نہ یاد کر سکتے ہیں، فرمایا: یہ تو مجھے بھی معلوم ہے، تم بس ضروری باتوں کو لکھو اور یاد کرو، میں اتنی لمبی گفتگو اس لیے کرتا ہوں تاکہ تمہیں اپنے مسلک پر خوب اطمینان ہو جائے، لوگوں کو اپنے دلائل سے واقفیت نہیں ہوتی؛ اس لیے وہ غیر مقلدین کے یکطرفہ دلائل کو سن کر بہت جلدی اپنے مذہب کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مولانا کی اس وضاحت کے بعد ہماری پریشانی دور ہوئی، اور دلچسپی مزید بڑھ گئی، مشکاۃ میں جب ہم معرکۃ الآرا مباحث سے گذر گئے تو مولانا نے پھر نہایت مختصر کلام کرنا شروع کر دیا اور کتاب مکمل کی۔ اگلے سال دورۂ حدیث میں حضرت سے ابوداؤد جلد ثانی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

مولانا بہت ٹھہر کر بولتے تھے، قلم کی طرح زبان میں سلالت و روانی نہیں تھی؛ مگر پڑھاتے بہت اچھا تھے؛ اس لیے ان کی یہ کمزوری بھی گراں گذرنے کے بجائے بھلی لگتی ہے، بقول کسے "وَعَينُ الرِّضَا عَن كُلِّ عَيبٍ كَلِيلَةٌ" (محبت کی آنکھ ہر عیب سے اندھی ہوتی ہے) وہ جب کسی چیز کو یاد کرنے کے لیے اپنے حافظے پر زور ڈالتے تو خاص ادا سے پیشانی کو کھجاتے اور فوراً ہی وہ بات یاد آ جاتی۔

تحریر و تدریس کا حال تو بیان ہو چکا، جہاں تک تعلق ہے تقریر و خطابت کا تو مولانا اس میدان کے آدمی نہ تھے، خود بھی یہ بات کہا کرتے تھے، جب کبھی مجمع سے خطاب کرتے تو آواز میں رعشہ اور بولنے میں روانی کے فقدان کے سبب گفتگو میں وہ رنگ پیدا نہیں ہو پاتا تھا جو ان کے قلم میں تھا، پھر بات بھی ایسے علمی انداز میں کہتے جو عوام کی سطح سے بلند ہو جاتی۔

شخصیت کے کچھ اور پہلو

مولانا اپنی ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ شب بیدار، عبادت گذار اور اوراد و وظائف کے پابند

تھے، نماز باجماعت کا اہتمام قابل رشک تھا، پہلے پہنچتے اورصف اول میں نماز ادا کرتے، سفر میں بھی حضرت کو دیکھنے کا موقع ملا، ٹرین میں بھی تہجد ادا فرمائی۔ عادات ومعمولات کے پختہ تھے، فجر بعد دیر تک پیدل چلنے کا معمول ہمیشہ رہا، سریع الغضب تھے، جو کہنا ہوتا برملا کہہ دیتے۔

مہد سے لحد تک

آپ کی پیدائش ضلع اعظم گڑھ کے معروف گاؤں جگدیش پور میں ۱۹۴۲ء ہوئی، ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم مئوناتھ بھنجن کا رخ کیا، پھر مزید تحصیل علم کے لیے دارالعلوم دیوبند گئے اور ۱۹۶۲ء میں فضیلت کی تکمیل کی، فراغت کے بعد مختلف مدارس میں پڑھایا، ان میں نمایاں ادارہ جامعہ اسلامیہ بنارس بھی ہے۔ ۱۹۸۰ء میں موتمر فضلاء دیوبند کے زیر اہتمام شائع ہونے والے رسالہ ''القاسم'' کی ادارت کے لیے دیوبند تشریف لائے اور ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریسی وتحریری خدمات سے وابستہ ہوگئے اور قریب چالیس سال تک علمی خدمات انجام دینے کے بعد ۳۰؍رمضان ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳؍مئی ۲۰۲۱ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ کے علاوہ دو بیٹیاں اور دو بیٹے مولانا عبیدالرحمٰن قاسمی اور جناب عبدالرحمٰن صاحب ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی خدمات کا انھیں بہترین صلہ عطا فرمائے، حسنات کو قبول کرے، سیئات کو درگذر فرمائے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین!

حواشی:

(۱) وقد أفاد العلامة القاسم فی فتاوہ أنه لایعمل بأبحاث شیخه ابن الهمام المخالفة للمذهب. البحرالرائق، کتاب السیر، فصل الجزیة ص:۱۹۵.

(۲) ومعرفته هذه الواسعة بعلم الجرح والتعدیل حدت بالتاج السبکی الذی انتقد شیخه الذهبی فی مواضع عدة إلی القول بأنه: کان شیخ الجرح والتعدیل، ورجل الرجال، وکأنما جمعت الأمة فی صعید واحد، ثم أنخبریعبرعنها إخبارمن حضرها (مقدمة میزان الاعتدال ص:٦٦).

(۳) مولانا نے حنفیت کے تعلق سے حافظ کے بارے میں جو بات کہی وہ بہت بڑی ہے؛ اس لیے مولانا کی بات کی تائید میں علامہ کشمیری کے کچھ اقول نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، علامہ کشمیری نے فرمایا: حافظ ابن حجر نے رجال میں حنفیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے، حتیٰ کہ امام طحاوی کے عیوب بھی نکالے ہیں، حالانکہ امام طحاوی جب تک مصر میں رہے، کوئی محدث نہیں پہنچتا تھا جو ان سے حدیث کی اجازت نہ لیتا ہو اور وہ حدیث کے مسلّم امام ہیں۔ امام طحاوی کا سوواں حصہ رکھنے والوں کی بھی حافظ نے تعریف کی ہے۔ فرمایا: حافظ ابن حجر عسقلانی کا مستقل شیوہ ہے کہ وہ حنفیہ کے عیوب نکالتے ہیں اور مناقب چھپاتے ہیں اور شوافع کے ساتھ معاملہ برعکس کرتے ہیں۔ ایک دفعہ فرمایا: حافظ کی عادت ہے کہ جہاں رجال پر بحث کرتے ہیں کہیں حنفیہ کی منقبت نکلتی ہو تو وہاں سے کترا جاتے ہیں، دسیوں بیسیوں جگہ پر یہی دیکھا۔ (ملفوظات محدث کشمیری ص ۱۲۴-۱۲۵)

محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی

از: مولانا سید فضیل احمد ناصری

کل یعنی تیسویں رمضان ۱۴۴۲ھ کو جو سانحہ پیش آیا، اس نے علمائے دیوبند کی صفوں میں صفِ ماتم بچھا دیا ہے۔ محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب اچانک ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔ وہ کیا تھے، کیا نہ تھے، ذیل کی سطروں میں یہی کچھ بیان کیا جارہا ہے۔

مولانا کا وطنی تعلق جگدیش پور سے تھا، یہ مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوریؒ کے وطن پھول پور سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ وہی گاؤں ہے جسے دارالعلوم دیوبند کے شیخ ثانی حضرت مولانا عبدالحق اعظمیؒ، مولانا افتخار صاحبؒ اور مشہور مصنف و مجود قاری ابوالحسن اعظمی صاحب کا وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

مولانا کے والد کا نام حافظ انوارالحق تھا اور دادا کا اسمِ گرامی محمد تقی ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ نانیہال ٹکری پور تھا۔

یہاں یہ عرض کردینا مناسب ہے کہ مولانا کے والد صاحب کی دو شادیاں تھیں، پہلی سے دو لڑکے اور اتنی ہی لڑکیاں ہوئیں۔ حفیظ الرحمٰن مرحوم مولانا کے حقیقی بھائی تھے، جو صاحبِ اولاد ہو کر جوانی میں ہی چلے گئے۔ اہلیہ کی وفات ہوئی تو دوسرا نکاح کیا، اس سے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔

تعلیم

پانچ سال کے ہوئے تو مدرسہ امدادالعلوم جگدیش پور کا رخ کیا۔ ناظرہ قرآن کریم کے بعد اردو اور فارسی کی کتابیں شروع فرمائیں، مکتبی تعلیم درجہ پنجم تک چلی۔ اب یہاں سے نکلے اور مدرسہ روضۃ العلوم جگدیش پور میں مزید فارسی کی کتابیں پڑھیں، وہیں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوریؒ سے گلستاں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، پھر اپنے علاقے کی مشہور دینی درس گاہ بیت العلوم

سرائے میر پہونچ گئے۔ وہاں سے نکلے تو دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں داخلہ لیا۔۱۳۸۲ھ میں دارالعلوم دیوبند پہونچے اور اپنے وقت کے عظیم اساتذہ سے دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ سنِ فراغت ۱۹۶۴ء ہے۔ بخاری شریف حضرت مولانا فخرالدین مرادآبادیؒ سے پڑھی۔ دارالعلوم میں صرف ایک سال گزارا۔

تدریس

فراغت کے بعد تدریس کے میدان میں قدم رکھ دیا۔ اشرف المدارس گھوسی ان کی پہلی جولان گاہ بنا۔ وہاں صدرالمدرسین کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ مدرسہ قاسم العلوم منگراواں میں بھی پڑھایا۔ کچھ دن جون پور کی مسجدِ قرآنیہ اٹالہ میں اپنی خدمات پیش کیں۔ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوریؒ سے وابستہ ہوکر تبلیغی مہم میں لگے۔ جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس بھی تشریف لے گئے اور مسندِ تدریس کو وقار واعتبار بخشا۔ ۱۹۸۰ء میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے انھیں دیوبند طلب کرلیا اور عالمی مؤتمر فضلائے دارالعلوم دیوبند کا ناظم بنایا۔ اسی تنظیم سے رسالہ ''القاسم'' بھی نکلتا تھا، جس کی ادارت بھی انھیں کے سر تھی۔ یہ دارالعلوم دیوبند کے انتشار کا دور تھا۔ ۱۹۸۱ء میں جب دارالعلوم کی نئی انتظامیہ کا عہد شروع ہوا تو وہ اس کے مدرسِ وسطیٰ منتخب کیے گئے۔ ۱۴۱۴ھ میں وسطیٰ سے علیا میں ترقی ہوئی۔ قیامِ دارالعلوم کے دوران نخبۃ الفکر، مقدمہ ابنِ صلاح، مشکوۃ شریف، ابوداؤد شریف اور مسلم شریف جیسی بلند پایہ کتابیں پڑھائیں۔ اخیر میں بخاری شریف کے چند پارے بھی ان سے متعلق کیے گئے؛ لیکن لاک ڈاؤن کے سبب نہ دارالعلوم جاری ہوا، نہ ان کے اسباقِ بخاری۔

تدریس کا انداز

حضرت سے میں نے مشکوۃ اور ابوداؤد شریف پڑھی ہے۔ ان کے دروس بڑے ہی پُر وقار اور پُرشکوہ ہوتے تھے۔ خوب تحقیق اور اہتمام سے پڑھاتے۔ ٹھہر ٹھہر کر حدیث کے ایک ایک جز پر بحث کرتے۔ حدیث کے درایتی پہلو کو اجاگر کرتے۔ سندوں پر خاص زور تھا۔ کس راوی کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟ کھل کر تبصرہ کرتے۔ بحث وتحقیق کے دوران جب کسی فریق کا پہلو دلائل کی رو سے کمزور نکلتا تو خاص انداز سے مسکرا کر فرماتے: گئی بھینس پانی میں۔

فنِ اسماء الرجال میں انھوں نے اتنی مہارت حاصل کرلی تھی کہ یہی ان کی شناخت بن گئی۔ اور اسی لیے ان کے شاگرد ابنِ حجر ثانی کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

رسالہ دارالعلوم کی ادارت

مولانا صرف تدریس کے آدمی نہیں تھے۔ ان کی تحریر بھی بڑی پختہ اور مستحکم تھی۔ جچے تلے اور متین ومتوازن الفاظ کا انتخاب کرتے۔ جملے بڑے شائستہ اور شان وشکوہ لیے ہوتے۔ کوئی بات کچی اور تحقیق سے عاری نہیں ہوتی تھی۔ اسی کمال نے انھیں ۱۴۰۵ھ میں رسالہ دارالعلوم کا مدیر بنایا اور کم و بیش ۳۵ برسوں تک یہ رسالہ ان کی ادارت میں نکلتا رہا۔ اس سے پہلے رسالہ ''القاسم'' بھی نکال چکے تھے، جس کی تفصیل آپ اوپر پڑھ آئے ہیں۔

تصنیفات

مولانا نے اپنے قلمی جوہر سے بڑے بڑے کام نکالے۔ بیش قیمت کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی مصنفات کی تعداد ۳۰ سے متجاوز ہے۔ جن میں ''شجرہ طیبہ، مقالاتِ حبیب، تذکرہ علمائے اعظم گڑھ، شرح اردو مقدمہ شیخ عبدالحق، شیوخ ابی داؤد فی سننہ اور انتقار کتاب الاخلاق'' بہت معروف ہیں۔

فنا فی المطالعہ

حضرت مولانا نے فضل وکمال کی معراج یوں ہی نہیں سمیٹی؛ بلکہ اس کے پیچھے تگاپوئے دمادم اور جہدِ مسلسل کا عمل دخل رہا ہے۔ وہ کتابوں کے اس قدر شوقین تھے کہ ان سے باہر نکلنا ان کی قدرت میں نہیں رہا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں فنا فی المطالعہ تھے۔ تدریس سے فارغ اوقات اسی شغل میں گزرتے۔ ان کا کوئی شناسا، کوئی عزیز یا شاگرد ایسی ریاست یا ملک سے آنے والا ہوتا اور ان سے رابطہ کرتا تو ان کی یہی فرمائش ہوتی کہ فلاں فلاں کتابیں لیتے آنا۔ سراج المحدثین حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی مدظلہ کے بعد دارالعلوم کی اگر کسی اور شخصیت کو کرمِ کتابی کہا جاسکتا تھا تو بلاشبہ مولانا ہی تھے۔ حالیہ لاک ڈاؤن میں مولانا شعبان میں ہی اپنے وطن آ گئے تھے۔ یہاں بھی اوراد و وظائف، شب بیداری، تہجد گزاری اور مطالعہ وحاصلِ مطالعہ لکھنے کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔

ان کے پوتے کا لطیفہ

ایک بار عجیب لطیفہ پیش آ گیا۔ مولانا کا چھ سالہ پوتا محمد عفان دیوبند میں قرآنِ کریم حفظ کررہا تھا اور قیام مولانا کے پاس ہی تھا۔ مولانا کی ہمہ وقت کتب بینی اور ورق گردانی سے حیران ہوکر کہنے لگا: دادا جان! آپ کا حافظہ ٹھیک نہیں ہے، چوبیس گھنٹے کتاب یاد کرتے ہیں اور یاد نہیں ہوتی۔ مجھے

دیکھیے، فر فر یاد کر لیتا ہوں۔ پوتے کی بات پر مولانا بہت ہنسے اور دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔

مولانا فخر الدین مرادآبادی سے محبت

انھیں اپنے اساتذہ میں دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین مرادآبادی سے بڑی محبت تھی۔ وہ جب بھی ان کا ذکرِ خیر کرتے، آنکھیں بھیگ جاتیں۔ استاذ کے تئیں ایسی جذباتیت اب عنقا ہوتی جارہی ہے۔

اسفار سے گریز

شوقِ علم وفنائیت فی المطالعہ نے انھیں پابہ زنجیر کردیا تھا۔ وہ اسفار کے قائل نہیں تھے۔ سفر کے نام سے ہی انھیں بڑی گھبراہٹ ہوتی۔ حج کے عنوان سے تین سفر ہوئے اور بس۔ بین الاقوامی اسفار بھی دوچار ہی ہوئے ہیں۔ چند سال قبل از بکستان کا تاریخی دورہ بھی کیا تھا۔

جلسے جلوس سے بھی انھیں بڑی وحشت تھی۔ فرماتے کہ میں اس مصرف کا آدمی نہیں ہوں۔ مجھے تقریر وقریر نہیں آتی۔ ہندوستان میں اگر کوئی ادارہ اپنے جلسے میں انھیں بلانے میں کامیاب ہوا ہے تو وہ صرف جامعہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر ہے۔ وہاں سے انھیں لگاؤ تھا؛ اس لیے تقریباً ہر سال اس کے جلسوں میں شرکت کرتے۔

جمعیۃ علمائے ہند سے تعلق

مولانا یوں تو خالص درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے آدمی تھے؛ مگر جمعیۃ علمائے ہند سے بھی ایک عرصے تک مربوط رہے۔ وہ اس کی مجلسِ عاملہ کے رکن اور نہایت فعال ممبر تھے۔ نہایت صالح الفکر اور صائب الرائے تھے۔ جمعیۃ کی تجاویز اکثر وہی لکھتے تھے۔ حضرت الاستاذ مولانا ارشد مدنی مدظلہ نے اپنے تعزیتی بیان میں لکھا ہے کہ:

''مولانا قاسمی ایک مدت سے جمعیۃ علمائے ہند کی مجلسِ عاملہ کے رکن رکین چلے آرہے تھے۔ میٹنگ کی کارروائیوں میں پوری دلچسپی لیتے اور مضبوط وٹھوس دلائل کے ساتھ اپنی بات رکھتے۔ مصلحت پسندی سے ان کی باتیں بہت دور ہوتی تھیں۔ میٹنگ کی اکثر وبیشتر تجاویز انھیں کی مرہونِ منت ہیں''۔

سی اے اے کے خلاف تاریخی تقریر

ایک سال قبل حکومت نے وحشیانہ اور جابرانہ قانون بنام ''سی اے بی'' پاس کیا اور وہی ''سی

اے بی'' آناً فاناً ''سی اے اے'' میں تبدیل ہوا، تو ملک بھر میں احتجاجات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ ایسا ہی ایک احتجاج دیوبند کی عیدگاہ میدان میں بھی ہوا۔ احتجاج میں جن علما کی تقریریں ہوئیں، ان میں مولانا بھی تھے۔ انھوں نے اپنی تقریر کا آغاز جس ولولہ انگیز انداز میں کیا، لوگ عش عش کر اٹھے۔ خطبہ کے بعد انھوں نے یہ شعر پڑھا:

ترے ستم پہ زمانہ دہائی دیتا ہے
کبھی یہ شور تجھے بھی سنائی دیتا ہے؟

پھر حکومت کو للکارتے ہوتے انھوں نے کہا:

''حکومت نے شہری ترمیمی ایکٹ کے نام سے جو سیاہ قانون صدر جمہوریہ کے دستخط سے پاس کیا ہے، وہ قانون نہیں ہے، ملک کے ساتھ دھوکہ ہے۔ عوام کے ساتھ دھوکہ ہے۔ دستورِ ہند کے ساتھ دھوکہ ہے۔ بین الاقوامی معاہدے کے ساتھ دھوکہ ہے۔ جب تک یہ قانون واپس نہیں لیا جاتا، ہم اپنی تحریک جاری رکھیں گے''۔ مولانا کی اس تقریر سے مجمع اور بھی پر جوش ہوگیا۔

پہلی بار مواعظِ حسنہ کا سلسلہ

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مولانا تقریر وخطابت سے بڑے متوحش تھے؛ لیکن اس بار انھوں نے ازخود وعظ گوئی کا سلسلہ جاری کیا۔ اپنے گاؤں جگدیش پور کی مسجد میں رمضان کے پہلے جمعہ سے ہی جمعہ وار بیانات کرنے لگے۔ ان کے اس اقدام سے اہلِ وطن بڑے مسرور تھے کہ دیر آید درست آید۔ علم کے موتی سے دامن بھرنے کا موقع تو ملا!!

سیر وتفریح

مولانا کو اپنے ایمان اور علم کی طرح اپنی صحت کا بھی بڑا خیال تھا۔ وہ بلاناغہ نسیمِ سحر سے ہم بغل ہونے کے عادی تھے۔ میں نے خود کئی بار انھیں صبح گاہی سیر وتفریح میں مصروفِ خرام دیکھا ہے۔ عصا بدست اور خمیدہ نگاہ اپنی منزل کی طرف سبک گام۔

مرض الموت

صحت کا اس درجہ خیال انھیں ہمیشہ صحت مند رکھتا۔ وہ اپنی عمر کی آٹھویں دہائی کی تکمیل میں تھے؛ مگر اپنے جسم وجثہ اور صحت وتوانائی سے اس عمر کے نہیں لگتے تھے۔ مولانا جب بیمار پڑے تو پھر

اٹھ ہی نہ سکے۔ مرض کھانسی، بخار سے شروع ہوا اور سانس پھولنے تک پہونچا۔ پھول پور کا ہسپتال ان کی مکمل دیکھ ریکھ کررہا تھا۔ طبیعت نشیب وفراز سے گزر رہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہسپتال سے چھٹی مل جائے گی، لیکن کل یعنی تیسویں رمضان کی فجر کے بعد طبیعت بگڑی اور بگڑتی چلی گئی۔ اس مسلسل گرتی صحت سے انھیں اندازہ ہوگیا کہ اب بچنا مشکل ہے۔ اپنے فرزند کو بلایا۔ مالی معاملات سمجھائے۔ کتابوں کے سلسلے میں وصیت کی کہ تمہیں اس کا اختیار ہے، دارالعلوم کو ہدیہ دو یا کسی اور ادارے کو۔

میں اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟

وصیت کے بعد بار بار جو جملہ ان کی زبان سے نکلتا تھا کہ: میری اتنی نمازیں چھوٹ گئیں۔ اتنے روزے رہ گئے۔ میں اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟

باتیں کرہی رہے تھے کہ اچانک ان پر ہارٹ اٹیک ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سنبھل گئے اور تسبیح وتہلیل میں لگ گئے۔ پھر چند ہی ساعتوں میں یہ جا، وہ جا۔

وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ کسی کو یقین ہی نہیں آیا۔ نمازِ جنازہ عشاء کے بعد انھیں کے کھیت میں ادا کی گئی۔ نمازیوں کی تعداد لاک ڈاؤن کے باوجود قابلِ رشک تھی۔ امامت کی سعادت پوتے کے حصے میں آئی۔ پھر معاً بعد ہی علم وعمل، بحث وتحقیق، درایت وروایت، حدیث اور علمِ حدیث، نیز اسماء الرجال کا ایک گنجِ گراں مایہ اسی زمین میں دفن کردیا گیا، جہاں کی خاک نے اسے اچھالا تھا۔

خدا رحمت کند

پس ماندگان میں اہلیہ سمیت دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ ایک فرزند کا نام مولانا عبیدالرحمٰن قاسمی ہے اور دوسرے کا نام عبدالرحمٰن۔ یہ سعودی میں رہتے ہیں۔ نامور والد کی وفات کے بعد اب انھیں کیسا محسوس ہوتا ہوگا، جب کہ مجھ جیسے تلامذہ بھی مرغِ بسمل بنے ہوئے ہیں:

آ عندلیب ! مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل

❁ ❁ ❁